علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور



ایڈیٹر

طارق جاوید عارفی

tariqfanbintariq@gmail.com

شمارہ:03 | جلد:24 | مارچ 2015ء/جمادی الاولی 1436ھ

مجلس ادارت

حافظ عبدالوحید سوہدروی | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ صلاح الدین یوسف
محسن فارانی | حافظ عبدالعظیم اسد | حافظ عبدالخالق | محمد ارسلان حجازی

مجلس مشاورت

مولانا ارشاد الحق اثری | حافظ عبدالستار حماد | محمد انیس الرحمٰن
مولانا عمر فاروق سعیدی | حافظ آصف اقبال

مجلس نظامت

عکاشہ مجاہد (مدیر منتظم) | عبدالغفار مجاہد | قمر الحمید فیصل علوی
حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد ندیم | محمد اعظم یٰسین

آرٹ اینڈ ڈیزائن

ہارون الرشید (آرٹ ڈائریکٹر) | عبدالرافع (گرافک ڈیزائنر) | حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)

قانونی مشیر: چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

اس شمارے میں

اداریہ	دہشت گردی کے خاتمے اور امن وامان.....	ایڈیٹر	5
تجلیات قرآن	قرآن مجید کا ایک طویل ترین وعظ	محمد نعمان فاروقی	8
عقیدہ و منہج	ایمان، امانت اور امن	فضیلۃ الشیخ عبدالصمد رفیقی	13
اشاعت حدیث	غیر مشہور مگر حسن ومقبول روایات	ابوعلی	17
افتاء و ارشاد	آپ کے سوال اور ان کے جواب	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	18
وفیات اعیان	خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بھی چل بسے	عبدالمالک مجاہد	20
فکر و نظر	علم استشراق اور موجودہ مغربی روش	محمد انیس الرحمٰن	25
سخن گسترانہ	خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ سے ایک ملاقات	خالد سیال	27
معاشیات	رسول اکرم ﷺ کی نصیحتیں اور ہماری منڈیاں	حافظ عبدالسمیع	29
تعاقب	تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت	حافظ صلاح الدین یوسف	32
حاصل مطالعہ	مختصر مگر مفید باتیں	ایڈیٹر	37
مکتوب الریاض	معرکہ یمامہ کی سرزمین میں چند گھنٹے	عبدالمالک مجاہد	39
یاد رفتگان	حافظ عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ کا قتل کیس	خالد سیال	43
حقائق و وقائع	سانحہ فرانس، قابل غور پہلو	عطاء محمد جنجوعہ	49
حقوق و فرائض	اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق	مولانا خاور رشید بٹ	52
اصلاح معاشرہ	کیا نیکی بھی بربادی کا باعث بن سکتی ہے؟	حافظ شبیر صدیق	57
گوشۂ خواتین	والدہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام	طارق جاوید عارفی	60
گوشۂ اطفال	بیش قیمت موتی	علی عفان	65
تعلیم و تعلم	علم کی فضیلت وتدبر	جمیل احمد اعوان	67
عالمی منظرنامہ	سفاک بشار اور طاغوتی طاقتوں کا منافقانہ کردار	ابوضرار ملک	70

■ ضیائے حدیث جاری کرانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہوجائے گا۔

■ منی آرڈر اور خط وکتابت کے لیے

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ نفس مضمون کی ذمہ داری صاحب مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔
(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

ناشر: محمد ادریس فاروقی | مقام اشاعت: 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

سرکولیشن منیجر: حافظ محمد حق نواز 057 66 88 300,332 92+
مارکیٹنگ: محمد یوسف سلفی 823 71 70 300 92+

■ ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 0345-4495886-0
محمد حق نواز
057 66 88 300 92+
شناختی نمبر
38404-0967643-1

■ آن لائن کرانے کے لیے:
A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court
Branch Lahore. Br Code: 1317

سالانہ زرتعاون
عام ڈاک 500 روپے | رجسٹری ڈاک 900 روپے
دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون
سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 45 روپے

پرنٹر: انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36 لوئر مال، لاہور

اداریہ

دہشت گردی کے خاتمے اور امن و امان کے حصول کا پائدار حل

ایڈیٹر

وطن عزیز کو اس وقت متعدد چیلنجز کا سامنا ہے ان میں سے دہشت گردی اور امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال سرفہرست ہے۔ بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے افسوس ناک واقعات معمول بننے لگے ہیں۔ ابھی پشاور کے آرمی پبلک اسکول کے زخم مندمل نہیں ہوئے تھے کہ 30 جنوری کو شکار پور کی امام بارگاہ میں جمعہ کا خطبہ ختم ہوتے ہی دھماکا ہوگیا۔ یہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ مسجد کی چھت زمین بوس ہوگئی۔ 55 نمازی جاں بحق اور 52 زخمی ہوگئے۔ اس سانحے کی وحشت ابھی دلوں پر چھائی ہوئی تھی کہ پشاور میں امام بارگاہ سے ملحقہ مسجد میں خودکش حملہ ہوا اور 20 افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان بیس افراد کی جدائی کا کرب ابھی تڑپا رہا تھا کہ صوبائی دارالحکومت لاہور میں 17 فروری منگل کی دوپہر ساڑھے بارہ بجے پولیس لائنز قلعہ گجر سنگھ کے باہر خودکش دھماکا ہوگیا جس میں سب انسپکٹر سمیت 8 افراد جاں بحق اور 25 زخمی ہوگئے۔ اس دلدوز سانحے کے صرف ایک دن بعد وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں امام بارگاہ پر خودکش حملے اور فائرنگ سے 4 افراد ہلاک اور 9 زخمی ہوگئے۔ حکمرانوں کی جانب سے دہشت گردوں کی کمر توڑ دینے کے دعوے کم و بیش پچھلے دس سال سے قوم سنتی چلی آرہی ہے۔ ان دعووں کے چند ہی روز بعد ملک کے کسی نہ کسی حصے میں دہشت گردی یا فرقہ وارانہ قتل و غارت گری کی نئی واردات یا وارداتیں ہوجاتی ہیں۔ لاہور ہی میں تقریباً 4 ماہ پہلے واہگہ بارڈر پر دہشت گردی کی ایک بڑی واردات خودکش حملے ہی کی صورت میں ہوچکی ہے جس میں 70 کے قریب افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ اس کے بعد متذکرہ بالا واقعات ایک ڈیڑھ مہینے کے اندر رونما ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب پوری قوم دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حکومت کے ساتھ کھڑی ہے، سیاسی اور عسکری قیادت میں اس حوالے سے مکمل ہم آہنگی اور اتفاقِ رائے ہے، پارلیمنٹ نے اکیسویں ترمیم کی شکل میں غیر معمولی اقدامات کا راستہ کھول دیا ہے تو پھر آخر ہر چند روز بعد دہشت گرد اپنے کسی نہ کسی ہدف کو نشانہ بنانے میں کیسے کامیاب ہوجاتے ہیں۔ کمزوری آخر کہاں ہے؟ کمی کس چیز کی ہے؟ حکمت عملی کو کن پہلوؤں سے بہتر بنانے کی ضرورت ہے؟ یہ بنیادی سوالات جو انتہائی سنجیدہ غور و فکر کے متقاضی ہیں۔

قارئین کرام! کائنات کی تمام مسلّمہ حقیقتوں میں سے یہ حقیقت بھی غیر متنازعہ اور مسلّم ہے کہ قوموں کی اٹھان، ان کے مثبت ارتقا اور نسلوں کی صلاح و بقا کے لیے امن و آشتی انتہائی ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر تعمیر انسانیت اور قومی ترقی کا قافلہ ساحل آشنا نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا خلیل الرحمن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو آباد کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے سب سے پہلی دعا یہ فرمائی کہ ''پروردگار! اس شہر کو امن والا بنادے۔'' معیشت کی بہتری اور فراوانی کی دعا اس کے بعد کی۔ امن کو معیشت پر فوقیت دینے میں یہی حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ معیشت سے متمع ہونے کا مزہ بھی تبھی آتا ہے جب امن و سکون میسر ہو۔ اگر انسان کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوں اور موت کا خوف ہر وقت اس کے سر پر منڈلا رہا ہو تو وہ اپنی مرغوب ترین چیز سے بھی غافل ہوجاتا ہے چہ جائیکہ وہ اس سے لطف اندوز ہو۔ ہر چیز سے بے نیاز اس کی نظریں ہمہ وقت اپنے بچاؤ کی تراکیب ڈھونڈنے میں لگی رہتی ہیں۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ خوشگوار معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے امن و امان کس قدر ناگزیر ہے۔ دنیا میں جس قوم نے بھی ترقی کی ہے، اس نے سب سے پہلے امن و امان کی صورتِ حال کو بہتر بنایا ہے۔ اپنے عوام کی جان و مال کی حفاظت کو یقینی بنایا ہے۔ ترقی اور عروج کی پہلی سیڑھی یہی ہے۔ اس کے بغیر ترقی کے لیے اگلا قدم اٹھانا محال ہے۔ ہم بھی اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں امن و امان کی صورت حال کو یقینی بنانا ہوگا۔ دہشت گردی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ زندہ قوموں کو اپنی بقا کی خاطر

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

بڑے فیصلے کرنا پڑتے ہیں۔ اگر ہم بھی زندہ قوم ہیں اور اپنی بقا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی چند سخت فیصلے کرنا ہوں گے۔ زبانی جمع خرچ کی بجائے عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔ اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرنا ہوگا۔ مختلف لوگوں اور گروہوں سے کیے گئے وعدوں کو ایفا کرنا ہوگا۔ قانون کو بالادست بنا کر اس کی بالادستی کو قبول کرنا ہوگا۔ مجرموں کو سزا کے کٹہرے میں کھڑا کرنا ہوگا۔ بے انصافی اور ظلم کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ ادنیٰ و اعلیٰ اور امیر و غریب میں فرق کو مٹانا ہوگا۔ اور سب کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھنا ہوگا۔ وعدہ خلافیاں اور امتیازی رویے نفرتوں اور کدورتوں کو جنم دیتے ہیں۔ پھر یہی نفرتیں اور کدورتیں دہشت گردی کا روپ دھار لیتی ہیں۔ جب ہم یہ سب کام کرنے کے لیے تیار ہوں گے اور سنجیدگی کے ساتھ اس پر پیش رفت ہوگی تو دہشت گردی اور بدامنی کے منحوس سائے بھی چھٹنے شروع ہو جائیں گے اور حقیقی امن و امان کی شاہراہ صاف ہو جائے گی۔

آیئے! اب جائزہ لیں کہ ہم سے کیا کوتاہیاں ہوئی ہیں اور دہشت گردی کے اس عفریت کو قابو کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا تاکہ پُرامن پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے۔ ہم ان امور کا ترتیب وار ذکر کرتے ہیں:

* ہم نے جس جس علاقے کے لوگوں سے جو جو وعدے کیے ان کو صحیح طور پر ایفا نہیں کیا گیا۔
* یکے بعد دیگرے ہونے والی دہشت گردی کی یہ متعدد وارداتیں اس حقیقت کی غمازی کرتی ہیں کہ سکیورٹی اداروں میں سکیورٹی لیپس (کوتاہیاں) ہیں۔ ان سکیورٹی لیپس کا کھوج لگا کر ان پر مکمل قابو پایا جائے۔
* دہشت گردی کی اکثر وارداتوں کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ خفیہ اداروں کی جانب سے متعلقہ حکام کو خبردار کیا جاتا رہا ہے۔ آرمی پبلک سکول پشاور کی طرح لاہور کی پولیس لائنز والی واردات کے بعد بھی یہ اطلاع منظرعام پر آئی کہ محکمہ داخلہ پنجاب نے تین روز پہلے خودکش حملہ آوروں کے لاہور میں داخلے سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ دہشت گرد آئندہ دو تین روز میں اہم مقامات کو نشانہ بنائیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آئندہ ایسی اطلاعات پر دہشت گردی سے پہلے کارروائی کی جائے کیونکہ سانپ کے نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کا عملاً کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا انٹیلی جنس اور احتیاطی تدابیر کو مزید بہتر بنانے کے لیے تمام ضروری تدابیر اختیار کی جائیں۔
* چند سال میں کئی ہولناک سانحات رونما ہوئے ہیں۔ تمام سانحات کی شفاف تحقیقات کرانے کے بعد مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، مثلاً: سانحہ بلدیہ ٹاؤن کراچی اور سانحہ ماڈل ٹاؤن لاہور کے مقدمات ابھی تک مصلحتوں پر مبنی سست روی کا شکار ہیں۔ سانحہ بلدیہ ٹاؤن کراچی ستمبر 2012ء میں پیش آیا۔ فیکٹری میں آگ لگنے سے 258 محنت کش جان کی بازی ہار گئے۔ انصاف کا تقاضا تھا کہ اس المناک سانحے کی انکوائری اور مقدمے کی سماعت جلد مکمل کر کے مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جاتی مگر یہ مقدمہ تاحال مصلحتوں کا شکار ہے ؎

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں کہ سارے شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

سوال یہ ہے کہ سانحہ بلدیہ ٹاؤن کے مظلوموں کا خون رنگ لائے گا یا ماضی کے المناک سانحات کی طرح یہ سانحہ بھی بھلا دیا جائے گا۔ دنیا شاید اسے بھلا دے، لیکن اللہ کے ہاں مقدمہ درج ہو چکا ہے۔ وہاں سب کو اس ظلم کا حساب دینا ہوگا۔ لہٰذا جس قدر جلد ممکن ہو اس سانحے کی تحقیقات کے بعد ملزمان کو سخت سزا دی جائے۔ مصلحت جیسی بھی ہو ایسے سانحات سے چشم پوشی اکثر اوقات دہشت گردی کے عفریت کو جوان کرنے کا باعث بنتی ہے کیونکہ ظلم کا انجام کبھی بخیر نہیں ہوتا، ہمیشہ فسادات کا موجب بنتا ہے۔
* سکیورٹی ایجنسیوں کا زیادہ تر عملہ وی وی آئی پی پروٹوکول ڈیوٹیوں میں مصروف ہے۔ انھیں عامۃ الناس کے سکیورٹی انتظامات پر مامور کیا جائے تاکہ ان کی توجہ شہریوں کی جان و مال کے تحفظ پر مرکوز ہو۔ یاد رکھیں جس طرح وی آئی پی حضرات کی جانیں قیمتی ہیں، اسی طرح عوام کی جانیں بھی انتہائی قیمتی ہیں۔ اپنی حفاظت کا اس قدر سخت انتظام اور عوام کے لیے سادہ غیر تربیت یافتہ پولیس اہلکار، اور وہ بھی نہ ہونے کے برابر۔ ایسا غیر مساوی سلوک بھی دہشت گردی کی راہ ہموار کرنے میں معاون بنتا ہے۔
* سکیورٹی ایجنسیوں کے پاس ملک کے جس علاقے میں بھی دہشت گردوں کی سرگرمیوں کی جو بھی اطلاعات موجود ہوں، ان کی بنیاد پر دہشت گردی کی واردات سے پہلے دہشت گردوں کی سرکوبی کا کوئی بھی قدم اٹھانے سے گریز نہ کیا جائے۔ ورنہ دہشت گردی کے خاتمے کا قومی ایجنڈا کبھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکے گا۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

* پولیس کو غیر سیاسی بنایا جائے اور میرٹ کے مطابق بھرتیاں کی جائیں، نیز سفارشیوں کو نکال دیا جائے۔ جنرل راحیل کا یہ تجزیہ سو فیصد درست ہے کہ پولیس کو غیر سیاسی بنائے بغیر امن قائم نہیں کیا جاسکتا۔ جن سیاسی جماعتوں کے پولیس سے مفادات وابستہ ہیں وہ کبھی پولیس کی تطہیر پر آمادہ نہیں ہوں گی۔ اس معاملے میں سخت موقف اختیار کرنا ہوگا اور ایسے پولیس اہلکاروں کی چھانٹی کرنی ہوگی جن کو میرٹ کے برعکس سیاسی بنیادوں پر بھرتی کیا گیا ہے۔ امن و امان قائم رکھنے کی بنیادی ذمہ داری پولیس کی ہے۔ میرٹ اور صرف میرٹ پر بھرتی کی گئی پولیس ہی عوام کے جان و مال کا تحفظ کرسکتی ہے۔ وگرنہ جو حال ہو رہا ہے، آپ کے سامنے ہے۔

* اینٹی ٹیررازم پولیس کو ذاتی حیثیت میں اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے مطلوب تمام ضروری سہولیات فراہم کی جائیں، ان کی سرفروشی پر انھیں شایانِ شان انعام دیا جائے اور اگر ان میں سے کوئی وطن عزیز پر قربان ہوجائے تو اس کے خاندان کی اچھی طرح خبر گیری کا فول پروف انتظام یقینی بنایا جائے۔

قارئین کرام! ایک فلاحی اور اسلامی معاشرے کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ اللہ کی اس بستی سے ظلم و تشدد، بہیمیت، استحصال اور فتنہ و فساد کا استیصال (جڑ سے کاٹ) کر کے یہاں اللہ کی حاکمیت اور محض اس کے قانون کا نفاذ ہو جس کے تحت کسی ظالم کا ہاتھ مظلوم کے گریبان تک نہ پہنچ سکے اور نہ کوئی دوسرے کی عزت و آبرو کو میلی آنکھ سے دیکھ سکے۔ نبی رحمت ﷺ نے اس اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے امن و آشتی کے جو اصول و ضوابط بنی نوع انسان کو عطا کیے اور انھیں جس تدبر و فراست اور کمال خلوص سے نمونہ پیش کیا ہے، ان پر عمل کر کے اور ان کے فہم کو عام کر کے ہم دہشت گردی کے عفریت پر حقیقی معنوں میں قابو پاسکتے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ نے دشمنوں کے تسلط اور ان کے قتل و غارت گری کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے: ''جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول کا عہد توڑ دیتی ہے تو اس پر دوسری قوموں میں سے دشمن مسلط کر دیے جاتے ہیں جو ان سے وہ کچھ چھین لیتے ہیں جو ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔'' (سنن ابن ماجة: 4019) وطن عزیز میں دہشت گردی کی وجوہات میں سے یہ سب سے بڑی وجہ ہے جس پر غور و فکر کرنا ناگزیر ہے۔ آیئے! ابھی سچی توبہ کریں۔ اللہ کے حضور معافی کے طلبگار ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کے عہد کی پاسداری کا عزم کرتے ہوئے اپنے ایمان کی آبیاری، اللہ سے وفاداری، اس کی توحید کی ترویج اور کفر و شرک کی بیخ کنی کے اقدامات کریں، رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اپنا شعار بنائیں، باہمی اخوت اور بھائی چارے کو فروغ دیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کماحقہ سرانجام دیں۔ ایذائے مسلم سے اجتناب اور حدود اللہ کا مکمل نفاذ کریں۔ اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ ہم اس نبوی فارمولے پر عمل شروع کر دیں، پھر دیکھیں دہشت گردی اور بدامنی کی نحوستیں کیسے ختم نہیں ہوتیں۔ دہشت گردی کے خاتمے اور امن و امان کی بحالی کا اس سے یقینی اور پائدار اور کوئی حل موجود نہیں ہے۔

.....✱④✱.....قارئین ضیائے حدیث متوجہ ہوں.....✱④✱.....

معزز قارئین! جن حضرات کا ضیائے حدیث کا سالانہ زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ براہِ کرم وہ اپنا زرتعاون جلد از جلد ارسال کر دیں تاکہ رسالے کی اشاعت اور ترسیل کو یقینی بنایا جاسکے۔ بصورت دیگر آپ کے لیے رسالے کی ترسیل ممکن نہ ہوسکے گی۔ ہمیں اپنے سنجیدہ اور ذی شعور قارئین سے یہی توقع وابستہ ہے کہ فی الفور اپنا زرتعاون جمع کرائیں گے۔

زرِتعاون بھیجنے کا طریقہ کار:

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 0345-4495886، شناختی کارڈ نمبر: 38404-0967643-1

برائے منی آرڈر: دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، دارالسلام لاہور (پاکستان)

برائے رابطہ: حافظ محمد حق نواز: 0300-8866057,0332-8866057، 04237232400

نوٹ: سابقہ شناختی کارڈ نمبر (موسیٰ کلیم والا) منسوخ کر دیا گیا ہے اپنا زرِتعاون صرف موجودہ نمبرز پر ہی ارسال کریں۔ شکریہ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



قرآن مجید کا ایک طویل ترین وعظ

اور اس کے چند اہم نکات

محمد نعمان فاروقی

قرآن مجید بڑے مختصر اور جامع الفاظ میں بہت اعلیٰ اور وسیع تر مفہوم سمجھا دیتا ہے۔ لیکن بعض مکالمے یا وعظ ایسے بھی ہیں جنھیں قرآن مجید نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر کئی وعظ اور واقعات ایسے بھی ہیں جن کے متعدد پہلوؤں کو قرآن مجید کے صفحات میں پھیلا دیا گیا ہے۔ ایسے واقعات کا زیادہ تر تعلق انبیائے کرام علیہم السلام سے ہے۔

قارئین کرام! جس طویل ترین وعظ کو بیان کرنا ہے، وہ اللہ کے کسی پیغمبر علیہ السلام کا وعظ نہیں ہے مگر میرے ناقص علم کے مطابق وہ قرآن مجید کا ایک ہی جگہ پر بیان کردہ سب سے طویل وعظ ہے۔ اور قرآن مجید کی ایک سورت اسی شخص کے نام سے ”المومن“ ہے جو چوبیسویں پارے میں ہے۔ اس سورت کا نام ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ...﴾ ”اور مومن شخص نے کہا...“ سے ماخوذ ہے۔ قرآنِ مجید نے اس کا تعارف بس اتنا کرایا ہے کہ وہ مومن شخص تھا اور اس کا تعلق آلِ فرعون سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کا یہ تعارف کہ وہ ”مومن شخص“ ہے دنیا جہان کے تمام اعزازوں، ڈگریوں، القابات اور لکھی گئی سوانح عمریوں سے مقام لے گیا ہے۔

ہم جب کسی کا تعارف لکھتے ہیں تو اس کے ذاتی کوائف پر بہت کچھ لکھتے ہیں مگر قرآن مجید ذاتی کوائف کے بجائے کسی کے کارناموں یا سرکشیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ تاکہ کارناموں کو دہرایا جائے اور بغاوتوں کو کچلا جائے۔ لوگ شخصیات پرستی کی بجائے ان کے کارناموں کا تذکرہ کریں اور جانیں۔

قرآن مجید کے اس طویل وعظ کا ترجمہ پیش خدمت ہے: ”اور آلِ فرعون میں سے ایک مرد مومن، جو اپنا ایمان چھپاتا تھا، کہنے لگا: کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: ”میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے، اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے، اور اگر وہ سچا ہے تو تمھیں (اس عذاب کا)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



کچھ حصہ ملے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے۔ یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا، بہت جھوٹا ہو۔ میری قوم! آج تمھاری ہی حکومت ہے، زمین میں (تم ہی) غالب ہو، پھر ہمیں اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا اگر اس نے ہمیں آلیا؟'' فرعون نے کہا: میں تمھیں وہی (راہ) دکھاتا ہوں جو میں (خود) دیکھتا ہوں، اور میں خیر و بھلائی ہی کے راستے کی طرف تمھاری رہنمائی کرتا ہوں۔'' اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا: ''میری قوم! بلاشبہ مجھے تمھاری نسبت دوسرے گروہوں (سابقہ امتوں) جیسے دن (کے عذاب) کا ڈر ہے۔ جیسے قوم نوح کا حال (ہوا)، اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوئے، اور اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور میری قوم! بے شک مجھے تم پر باہمی پکار کے دن (قیامت) کا ڈر ہے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تو کوئی تمھیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوگا۔ اور جسے اللہ گمراہ کردے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے یوسف بھی تمھارے پاس کھلی (نشانیاں) لے کر آیا تھا، پھر تم ہمیشہ اس کے متعلق شک میں رہے جو وہ تمھارے پاس لایا، حتی کہ جب وہ فوت ہوگیا، تو تم نے کہا: اس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا، اللہ اس شخص کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہو۔ جو لوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو، (یہ رویہ) اللہ کے نزدیک اور ان لوگوں کے نزدیک، جو ایمان لائے بڑی ناراضی و بیزاری کا باعث ہے، اللہ ہر متکبر، سرکش کے دل پر اسی طرح مہر لگادیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا: اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچوں۔ یعنی آسمانوں کے راستوں تک، پھر میں موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں، اور بے شک میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں، اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل پرکشش بنادیا گیا، اور اسے (سیدھے) راستے سے روک دیا گیا، اور فرعون کی چال تو بس تباہ و برباد ہو کر رہی۔ اور جو شخص ایمان لایا تھا، اس نے کہا: میری قوم! تم میری پیروی کرو میں تمھیں بھلائی کا راستہ بتاؤں گا۔ میری قوم! یہ دنیاوی زندگی تو بس (تھوڑا سا) فائدہ اٹھانا ہے، اور بے شک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ جس نے کوئی برائی کی تو اسے بس اس کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا، اور جس نے کوئی نیک کام کیا وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، وہاں انھیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ اور میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں، اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں، اور اس کے ساتھ ایسی چیزیں شریک ٹھہراؤں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، اور میں تمھیں نہایت غالب، خوب بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ یقینی بات ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو، وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں، اور بلاشبہ ہماری واپسی اللہ ہی کی طرف ہے، اور بلاشبہ حد سے بڑھنے والے ہی دوزخی ہیں۔ لہٰذا تم عنقریب ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بلاشبہ اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ پھر انھوں نے جو مکروفریب کیا تھا، اللہ نے اس کی برائیوں سے اس (ایمان دار) کو بچا لیا اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔''

اب یہاں وعظ کے ساتھ ساتھ ہی اس کے نکات ذکر کیے جاتے ہیں:

وعظ شروع ہوتا ہے

① فرعون سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ ایسے میں ایک نحیف سی آواز یہ کہتے ہوئے بلند ہوئی: ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



اللّٰہُ...﴾ ”کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔“ (آیت:28)

یہ مومن شخص تھا لیکن اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا۔ اگر کہیں مشکل ترین حالات ہوں، وہاں اپنے ایمان کو چھپایا جاسکتا ہے۔ یہ اس صورت میں جب کوئی شخص وہاں کا باسی ہو اور وہاں رہنا اس کی مجبوری ہو مگر جب وہ خود اپنے شوق سے بلاد غیر کا رخ کرے اور وہاں ایمان چھپاتا پھرے تو یہ شخص اس کی دلیل نہیں بن سکتا۔

مومن شخص کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اسے مارنا نہیں بلکہ سپورٹ کرنا چاہیے، اس کی حمایت کرنی چاہیے کیونکہ یہ سب سے اچھا پیغام اور سب سے اچھی بات ہے۔ کبھی کسی ظالم یا جابر یا سرکش سے بات کرنی پڑے تو یہ ضروری نہیں کہ آپ اس پر حکم لگائیں بلکہ سوالیہ انداز بھی اختیار کرسکتے ہیں۔ اس پر آپ اس کے غضب اور قہر سے بچ جائیں گے۔ کیونکہ سوال کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ جیسا کہ مومن شخص نے پوچھا کہ کیا تم ایسے شخص کو قتل کررہے ہو؟ اس کی بجائے اگر وہ یہ کہتا کہ تم ایسے شخص کو قتل کر رہے ہو...تو یہ اس کی طرف سے حکم ہوتا جسے مدمقابل برداشت نہ کرتے۔

مومن شخص نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مشن سے اپنا تعلق ظاہر کیے بغیر ان کی اور ان کے مقدس مشن کی تائید کی۔ مگر ہمارے ہاں زیادہ زور تعلق ثابت کرنے پر دیا جاتا ہے۔ اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ بات میں وزن نہیں رہتا کیونکہ مدمقابل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اسی نکتہ نظر کے حامل ہیں انھوں نے انھی کی بات ہی کرنی ہے۔ آگے آنے والے نکات میں بھی آپ یہ خوبی محسوس کریں گے۔

> ہم جب کسی کا تعارف لکھتے ہیں تو اس کے ذاتی کوائف پر بہت کچھ لکھتے ہیں مگر قرآن مجید ذاتی کوائف کے بجائے کسی کے کارناموں یا سرکشیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔

② ﴿وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ ”اور تحقیق وہ تمھارے رب کی طرف سے روشن دلائل بھی لے کر آئے ہیں۔“ (آیت:28) بہت سے دلائل بھی موسیٰ علیہ السلام ساتھ لائے ہیں۔ تم انھیں مارو نہ بلکہ ان کے دلائل کا مشاہدہ کرو پھر دلائل سے ٹکرانے کی بجائے انھیں قبول کرو۔

③ ﴿وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ﴾ ”اور اگر وہ (موسیٰ علیہ السلام) سچ نہیں کہہ رہے تو ان کے جھوٹ کا وبال انھی پر ہے اور اگر وہ سچے ہیں تو وہ جو تمھیں وعیدیں دے رہے ہیں ان کی زد میں تم آؤ گے۔“ (آیت:28)

اس فقرے میں اس شخص نے کھلی بات کی جو انصاف کے تقاضوں کو پورا بھی کرتی ہے اور ساتھ ہی اپنی قوم سے ہمدردی کے جذبات کی بھی آئینہ دار ہے۔

واعظینِ قوم کو چاہیے کہ وہ بھی قوم سے ہمدردی کے جذبات سے سرشار ہوں اور اس کے اظہار سے بخل کو حائل نہ ہونے دیں۔ اور منقولہ دلائل کے ساتھ ساتھ قوم کے سامنے ایسے عقلی دلائل بھی رکھیں جو اسے لاجواب کردیں۔

④ ﴿يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا﴾ ”میری قوم! آج تمھاری بادشاہت ہے اس حال میں کہ تم آج اس سرزمین میں غالب ہو تو اللہ کا عذاب جب آگیا تو ہمیں اس سے کون بچائے گا؟“ (آیت: 29)

قوم کو اپنے ملک و سلطنت کی فکر بھی ہوتی ہے اور اس پر فخر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اس جذبۂ حب الوطنی کو ختم کرنے کی بجائے انھیں اس پر لایا جائے کہ وہ سلطنت بھی ان کے پاس رہے، ان کا اقتدار بھی باقی رہے اور وہاں غالب بھی رہیں۔ اور اللہ کے احکام کو مان کر یہ سب کچھ باقی رہ سکتا ہے۔ ان سے رخ موڑنے سے سلطنت باقی رہتی ہے نہ وہاں کا اقتدار اور نہ ہی قوم...اگر کوئی قوم باقی رہتی ہے تو وہ بھی محض عبرت کے لیے۔

”مومن شخص“ نے قوم کے جذبات کو مدنظر رکھا اور اس کی روشنی میں انھیں وعظ کیا اور ساتھ ہی عذاب سے ڈرایا...یہ عذاب آسمان سے پتھروں کی شکل میں نہیں بلکہ اقتدار چھن جانے کی شکل میں ظاہر ہوا۔ حالانکہ فرعون نے اس وعظ کے مقابلے میں اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ ”میں تمھیں وہی دکھاتا ہوں جو میں خود دیکھ رہا

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ہوں اور میں درست راستے کی طرف تمھاری راہ نمائی کر رہا ہوں۔"

⑤ ﴿يَاقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ "میری قوم! بے شک میں (سابقہ) گروہوں کے عذاب کے دن سے تمھارے متعلق ڈرتا ہوں۔ جیسا کہ قوم نوح، عاد اور ثمود پر جو بیتی۔" (آیت:31,30)

قوم سے ہمدردی کے ساتھ ساتھ سابقہ قوموں کی تاریخ کا علم بھی ہونا چاہیے۔ اور قوم کے سامنے اپنے جیسی قوموں کی ہلاکت کے عبرت ناک انجام رکھے جائیں۔ وعظ و نصیحت میں شخصیات اور قوموں کی عبرت کے واقعات بڑا اثر رکھتے ہیں۔

⑥ ﴿وَيَاقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ﴾ "اور میری قوم! بے شک میں تمھارے متعلق باہمی پکار کے دن سے خوف رکھتا ہوں۔" (آیت: 32) قوم، ملک اور سلطنت کی فکر کے ساتھ ساتھ فکر آخرت بھی لازم ہے۔ بعض دروس میں ملک اور سیاست کی بات گناہ سمجھی جاتی ہے اور بعض دروس میں فکر آخرت کا ذکر ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ مگر اس وعظ میں دونوں کی فکر نظر آرہی ہے۔ اور قیامت کے دن کے کچھ حالات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

⑦ ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا﴾ "اور البتہ تحقیق اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) بھی تمھارے پاس روشن دلائل لائے تھے مگر وہ جو لائے تھے اس میں تم شک ہی کرتے رہے حتی کہ جب وہ فوت ہوگئے تو تم کہنے لگے کہ اللہ اس کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔" (آیت:34)

ایک تو عالمی تاریخ ہوتی ہے مگر ایک تاریخ ملکی یا علاقائی ہوتی ہے۔ عالمی تاریخ کے بعد اب "مومن شخص" نے انھیں اپنے ملک کی تاریخ کا حوالہ دیا کہ یہاں یوسف علیہ السلام بھی ہو گزرے ہیں اور تم ایمان کی بجائے شک میں مبتلا رہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام سے بھی تمھارا رویہ جو ہے تم خود دیکھ رہے ہو۔ اللہ کی رحمت کو بھی دیکھو کہ تمھاری تکذیب کے باوجود وہ رسولوں کو مبعوث کر رہا ہے اور اپنی سرکشی کو بھی دیکھو کہ تم ان کے قتل کے درپے ہو رہے ہو۔ یہ تمھاری طرف سے بہت بڑی زیادتی ہے اور ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ﴾ اسی طرح اللہ گمراہ رکھتا ہے ان لوگوں کو جو زیادتی کرنے والے اور شک کرنے والے ہوں۔" (آیت:34)

⑧ ﴿يَاقَوْمِ اتَّبِعُوْنِيْٓ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ "میری قوم! میرے پیچھے چلو میں سیدھے راستے کی طرف تمھاری راہ نمائی کروں گا۔" (آیت:38)

قوم کی فکر اور عقیدے کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کی راہ نمائی کرنا انھیں عملی طور پر ایسا راستہ دکھانا جس پر وہ چل سکیں۔ یہ بھی وعظ و نصیحت کا ایک حصہ ہے۔ واعظین اور دعاۃ یہ تو کہتے ہیں کہ سیدھے راستے کو اختیار کرو، یہ بھی بتاتے ہیں کہ سیدھا راستہ یہ ہے مگر آگے بڑھ کر قوم کی قیادت نہیں کر پاتے۔

⑨ ﴿يَاقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ "میری قوم! یہ دنیا تو محض ایک سامان ہے اور بے شک آخرت کا گھر ہی رہنے کا اصل گھر ہے۔" (آیت:39)

قیامت کے دن سے "مومن شخص" نے پہلے ڈرایا ہے مگر اب دنیا اور آخرت کا موازنہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ اگر دنیا کی خاطر کوئی اپنی صلاحیتیں صرف کرتا ہے تو آخرت کے لیے کیوں نہیں؟ کیونکہ رہنے کی اصل جگہ تو آخرت کا گھر ہی ہے۔ اس وعظ میں ترک دنیا کا درس نہیں ہے بلکہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کی بات ہے۔

⑩ ﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ "جو کوئی برائی کرتا ہے تو اسے اس کی برائی جیسی ہی سزا دی جائے گی اور جس نے کوئی اچھائی کی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تو یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اس (جنت) میں بغیر حساب رزق دیا جائے گا۔" (آیت:40)

عام اور چھوٹی چھوٹی برائیوں کو چھوڑنا اور بظاہر معمولی سی نیکیوں پر عمل پیرا ہونا ہی فکر و عمل کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ اور معاشرے کے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی حق کی تلقین کرنی چاہیے۔ دعوت اگرچہ خواتین و حضرات دونوں کو شامل ہوتی ہے مگر خواتین کا علیحدہ سے ذکر شریعت کی نظر میں ان کی حیثیت کو تسلیم کرنے کا اعتراف ہے۔

⑪ ﴿وَيَاقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ﴾ "میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔" (آیت: 41)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



لوگ محض دعوت یا دعوت برائے دعوت کے کام سے منسلک ہوتے ہیں اور اس کے لیے شب و روز لگاتے ہیں مگر دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ دعوت کس کی دی جارہی ہے۔ کس کی طرف بلایا جارہا ہے۔ اگر تو دعوت حقیقی نجات اور ابدی کامیابی کی طرف ہے تو ٹھیک ورنہ لوگوں کے کامیابی کے سفر میں الجھنیں نہیں ڈالنی چاہئیں۔ یا ایسے کہہ لیں کہ انھیں دھوکا نہیں دینا چاہیے۔ خود گم گشتہ راہ ہونا بھی جرم ہے مگر دوسروں کی گمراہی کا سبب بننا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ کیا جنت اور نجات کی طرف بلانے والے کی اور ناکامی اور جہنم کی طرف بلانے والے کی دعوت ایک جیسی ہوسکتی ہے؟ قوم کے بہت ہی کم لوگ اس میں فرق کر پاتے ہیں۔

⑫ ﴿تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ﴾ ”تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ انھیں شریک ٹھہراؤں جس کے بارے میں میرے پاس کچھ علم نہیں ہے اور میں تمھیں عزیز و غفار کی طرف بلاتا ہوں۔“ (آیت: 42)

پچھلے فقرے میں اللہ کی طرف دعوت کا ذکر ہے مگر ایسا بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص اللہ کی طرف بھی دعوت دیتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے شرکاء کی طرف بھی بلاتا ہو۔ اس لیے دعوت کے منہج کو واضح کر دیا گیا ہے۔ وہ دعوت ہی کیا دعوت ہے جس میں دعوت کا مرکزی نقطہ ہی نہ ہو، اس پہلو ہی کو پس پشت ڈال دیا جائے جسے غالب کرنے کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، یعنی توحید کی دعوت!

⑬ ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ ”لہٰذا تم یاد کرو گے ان باتوں کو جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“ (آیت: 44)

دعوت کے بڑے ہمدردانہ انداز اور بھرپور حکمت سے منہج اور دعوت کو واضح کرتے ہوئے اختتامیہ بھی بڑا ہی پرامید ہے کہ میں چلا جاؤں گا مگر تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔

”مومن شخص“ کا کیسا خلوص تھا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے مخاطبین ہی کے لیے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے دوام بخش دیا۔ ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُوْلُ لَكُمْ﴾ کی آواز اب جس کے بھی کانوں سے ٹکرائے گی یا جس کی بھی آنکھوں کے سامنے آئے گی تو اس مومن شخص کی یاد تازہ ہوتی رہے گی جس کے طویل ترین وعظ کی تمام جزیات قرآن جیسی عظیم کتاب کا حصہ بن گئیں۔

جو اس شخص کا کام تھا وہ اس نے کر دیا اور جو اللہ نے کرنا تھا وہ اس نے کیا، چنانچہ فرمایا: ﴿فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ ”لہٰذا اللہ نے اسے ان کی تمام بری تدبیروں سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو بدترین عذاب نے جالیا۔“ (آیت: 45)

اگر کوئی شخص قوم کا درد رکھ کر انھیں نصیحت کرتا ہے اور قوم اسے قبول نہیں کرتی تو اس کی محنت کا صلہ اسے مل ہی جائے گا اور قوم ضد اور ہٹ دھرمی کی سزا بھی پاکر رہتی ہے۔

بقیہ: آپ کے سوال اور ان کے جواب

فقہاء کے اس بارے میں دو قول ہیں: اطہارت کے لیے جتنا پانی موجود ہو اتنا ہی استعمال میں لانا واجب ہے، پھر تیمم کرلے کیونکہ ایک تو یہ اس کی استطاعت میں ہے دوسرے یہ کہ نبی ﷺ نے پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کو غسل جنابت کا بدل قرار دیا ہے۔ تمام شوافع اس پر متفق ہیں، امام احمد اور داود ظاہری سے ایک قول یہی مروی ہے، شیرازی، عطاء، حسن بن صالح اور معمر کا قول بھی یہی ہے۔ مجد ابن تیمیہ نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: 'باب من وجد ما يكفي بعض طهارته يستعمله' یعنی جتنا پانی جتنی طہارت کے لیے اختیار میں ہو اسے استعمال کرلینا چاہیے۔ نیل الأوطار میں امام شوکانی کا یہی موقف ہے۔ (نیل الأوطار: 307/2)

نیز اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ (النساء 4:43، المائدۃ 5:6)، یعنی بالکل پانی نہ پاؤ تو پھر تیمم کی اجازت ہے، جبکہ یہاں کچھ پانی تو موجود ہے، اس لیے قرآنی نص کی رو سے دریں حالت اس پر عدم وجودِ ماء کا اطلاق نہیں ہوتا۔

② دوسرا موقف یہ ہے کہ چونکہ بقدر کفایت پانی موجود نہیں اس لیے صرف تیمم ضروری ہے: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ میں دونوں مفاہیم کا احتمال ہے۔ یہ موقف امام مالک، ابوحنیفہ، ثوری، اوزاعی، مزنی اور ابن المنذر رحمہم اللہ کا ہے۔

ہمارے نزدیک پہلا موقف اصولی اور زیادہ قرین قیاس ہے، تفصیل ملاحظہ فرمایئے: (محلی ابن حزم: 137/2، مسئلہ: 244، شرح المهذب: 309/2، مغنی لابن قدامہ: 270/1، نیل الأوطار: 307/1)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ایمان، امانت اور امن

فضیلۃ الشیخ عبدالصمد رفیق

کتاب و سنت اور فہم سلف کے مطابق اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت ضروری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں توحید کی ساری اقسام خود بخود آجاتی ہیں، لیکن اگر اس ''تعریف'' میں توحید کو صراحتاً شامل کیا جائے تو پھر یوں کہنا مناسب رہے گا: «اَلتَّوْحِيْدُ هُوَ الْإِيْمَانُ بِاللهِ وَإِفْرَادُهُ بِمَا يُخْتَصُّ بِهِ فِيْ ضَوْءِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَفَهْمِ سَلَفِ الْأُمَّةِ» ''توحید سے مراد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور فہم سلف کی روشنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے، اسے اس کے ہر خاصے میں وحدہ لاشریک مانا جائے۔''

آئیں اب اس اصطلاحی تعریف (مفہوم) کی افادیت پر غور کریں۔ سردست صرف ایمان پر بات ہوگی۔ ''ایمان'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے بنیادی حروف تین ہیں: (ا۔م۔ن)۔ بنیادی حروف کا یہ مجموعہ (مادہ) درج ذیل معانی ادا کرتا ہے: ① دل کی تصدیق و تسکین ② تصدیق پر مبنی اقرار و اعتراف ③ عزیز ترین چیز ④ امانت ⑤ امن و امان۔

ایمان اور تصدیق

تصدیق کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو سچا سمجھنا اور سچا کہنا، چاہے عقل و احساس کے دائرے میں آنے والی کسی بات کی تصدیق کی جائے یا کسی غیبی بات کی۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انھیں گہرے کنویں میں گرانے کے بعد اپنے والد سیدنا یعقوب علیہ السلام سے جھوٹ بولا کہ انھیں بھیڑیا کھا گیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا: ﴿وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾ ''(اباجان!) ہم سچے بھی ہوئے تو آپ ہماری تصدیق نہیں کریں

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



گے۔" (یوسف 17:12) یہاں (مُؤمِن) کا معنی ہے: "تصدیق کرنے والا۔" اس قسم کی تصدیق میں اگر خبر دینے والا معتبر نہ ہو تو پھر تکذیب کا بھی امکان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے انھیں سچا نہیں سمجھا۔ لیکن جب ایمان کا شرعی مفہوم سامنے ہو تو پھر عام قسم کی تصدیق مراد نہیں ہوتی بلکہ خاص قسم کی تصدیق مراد ہوتی ہے۔ اس تصدیق میں خبر کا تعلق صرف امر غائب سے ہوتا ہے، خبر دینے والے کا امانت دار ہونا لازمی ہوتا ہے اور تصدیق کرنے والا پوری محبت سے تصدیق کرتا ہے اور اس کے عملی تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہے جس سے اس کے دل کو خاص قسم کا سکون اور چین ملتا ہے۔ اسی لیے متقی لوگوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے: ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ "وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔" (البقرۃ 4:2) اور سیدہ مریم علیہا السلام کی بابت فرمایا: ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ﴾ "اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔" (التحریم 12:66) تاہم اگر زبان پر تصدیق ہو لیکن دل میں تصدیق نہ ہو یا دل میں تصدیق تو ہو مگر اس کے ساتھ نفرت بھی ہو تو یہ صورت کفر و نفاق کی تو ہو سکتی ہے ایمان کی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر دل میں تصدیق بھی ہو اور محبت بھی ہو مگر عملی رویہ اس کے برخلاف ہو تو یہ ایک قسم کا فسق و فجور ہے۔

ایمان اور اقرار

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے مثالوں سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ عربی زبان میں تصدیق اور ایمان کے لغوی استعمال میں بڑا فرق ہے، تاہم ایمان اور اقرار کا لغوی استعمال بڑی حد تک یکساں ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان میں ایمان سے صرف تصدیق مراد لینا درست نہیں ہے بلکہ ایمان سے ایسا اقرار مراد ہے جو تصدیق و تسلیم، قبول و رضا اور اطاعت و فرمانبرداری پر مبنی ہو۔ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ: 55,54/1 وکذلك: 230/2)

ایمان، عزیز ترین متاع

علامہ ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب لوگ کہا کرتے ہیں: «أَعْطَيْتُ فُلَانًا مِنْ آمَنِ مَالِي، فَقَالُوا مَعْنَاهُ: مِنْ أَعَزِّهِ عَلَيَّ» "میں نے فلاں آدمی کو وہ چیز دی جو میرے محبوب ترین مال میں سے تھی۔ (معجم مقاییس اللغۃ: 134/1) اور واقعی سچے مومنوں کے لیے ایمان دنیا کی ہر قیمتی چیز حتیٰ کہ جان سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

ایمان اور امانت

علامہ ابن فارس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمزہ، میم اور نون (ا۔م۔ن) کے بنیادی معانی دو ہیں، ایک امانت دوسرا تصدیق۔ امانت کا مطلب دل کا سکون ہے، اس کی ضد خیانت ہے۔ (معجم مقاییس اللغۃ: 133/1) وجہ صاف ظاہر ہے کہ امانتداری سے دل کو سکون ملتا ہے اور خیانت سے سکون برباد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: «رَجُلٌ أُمَّانٌ» "امانتدار آدمی۔" اس لحاظ سے ایمان سے مراد بندے کے وہ پوشیدہ معاملات ہیں جو عموماً دوسروں سے اوجھل رہتے ہیں اور اللہ کے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا، مثلاً: دل کی نیت، ارادہ، عقیدہ وغیرہ۔ اسی طرح وہ اعمال جنھیں وہ تنہائی یا اندھیرے میں سرانجام دیتا ہے۔ ان اعمال میں بندے کی امانتداری کا امتحان ہوتا ہے اور اسی لیے یہ ایمان کہلاتے ہیں، واللہ اعلم۔

ایمان اور امن و امان

عرب لوگ کہتے ہیں: «بَيْتٌ آمِنٌ» امن والا گھر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا...﴾ "(اپنی دعا میں) ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے۔" (البقرۃ 126:2) اسی سے «الْمُؤْمِنُ» کا لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور ایک باعمل مسلمان کا لقب بھی ہے۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے تو پھر اس کا معنی ہوتا ہے: "اجر و ثواب کے وعدوں کو سچ کر دکھانے والا، اپنے فرمانبردار بندوں کو امن عطا کرنے والا، انھیں اپنے عذابوں سے بچانے والا۔" ارشاد باری ہے: ﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ...﴾ "(سچا) بادشاہ (انتہائی) مقدس (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا...۔" (الحشر 23:59) لیکن جب یہی لفظ کسی باعمل مسلمان کے لیے بولا جائے تو پھر اس کا مطلب ہوتا ہے ایمان لانے والا، اللہ کے دیے ہوئے امن و امان اور سکون و چین میں داخل ہونے والا۔ ارشادِ باری ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ "وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو سب سے بڑے ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



کیا، انھی کے لیے امن ہوگا اور وہ ہدایت پانے والے ہیں۔" (الأنعام 82:6)

اسلام کا مفہوم

اسلام کا لفظی ترجمہ ہے: خود کو کسی کے سپرد کردینا اور اس کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنا۔ تاہم اس دنیا میں کسی کو مسلمان بننے کے لیے کلمۂ شہادت کا اقرار کافی سمجھا جاتا ہے، یعنی جس نے کلمۂ شہادت کا اقرار کیا اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اس کی تکفیر نہیں کریں گے جب تک اس کا مرتد ہونا ثابت نہ ہوجائے، لیکن کسی فرد یا فرقے کو مرتد قرار دینا یا کسی کو مرتد ہونے پر شرعی سزا دینا یہ کام خالصتاً حکومت کا ہے، عام آدمی کا نہیں ہے۔ ورنہ ساری امت ہی مرتد ہوجائے گی کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو صحیح سمجھتا ہے اور دوسرے فرقوں کو بدنام کرنے کے لیے اس پر ایسے من گھڑت الزام لگاتا ہے جو اگر اسے مرتد نہیں بناتے تو مسلمان بھی نہیں رہنے دیتے۔ اس مہم جوئی سے وہی محفوظ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہوا ہے باقی سب ملوث ہیں۔

لیکن یہ تو کوئی خوبی نہیں ہے کہ بندہ محض اپنے نزدیک صحیح ہو اور دوسرے سارے اس کے نزدیک غلط ہوں۔ اصل خوبی یہ ہے کہ بندہ اللہ رب العزت و الجلال کے نزدیک صحیح ہو۔

کتاب و سنت نے اقرار کے علاوہ چند خاص اعمال بھی بیان فرمائے کہ اگر کوئی شخص کلمہ طیبہ پڑھے، پھر وہ اعمال بھی بجالائے تو تب اسے مسلمان سمجھا جائے گا، مثلاً: وہ نماز پڑھے، مسلمانوں کے قبلہ (خانہ کعبہ) کی طرف رخ کرے، زکاۃ ادا کرے، مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا جانور کھائے تو اسے مسلمان سمجھا جائے گا اور اسے مسلمانوں والے شہری حقوق حاصل ہوں گے، نیز وہ مسلمانوں والے حقوق ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ (التوبة 5:9، و صحیح البخاری: 434,393) گویا کلمۂ شہادت کا اقرار اگر مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے تو یہ اعمال اس دعوے کی دلیل ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اعمال میں سے کسی کا صاف یا نیم انکار کرتا ہے تو حکومت اس کا نوٹس لے گی۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں تمام ظاہری نیک اعمال کو بھی اسلام کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص وہ اعمال بجالاتا ہے تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا چاہے کسی لالچ کی بنا پر ایسا کرے یا کسی خوف کا شکار ہوکر ایسا کرے یا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ» "ان (کے دلوں) کا حساب اللہ پر ہے۔" (صحیح البخاری: 392) وہ علیم بذات الصدور ہے۔ اس کی نظر لوگوں کے دلوں پر بھی ہوتی ہے اور ان کے اعمال پر بھی۔ (صحیح مسلم: 6543)

ایمان کا شرعی مفہوم

ایمان جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے اور جس کا اس نے اپنے بندوں سے تقاضا کیا ہے، وہ ہے جس میں تین چیزیں اکٹھی ہوجائیں:

① زبان سے اقرار و اعتراف ② دل سے تصدیق اور ③ تصدیق و اقرار کے عملی تقاضوں کو نبھاتے ہوئے نیک اعمال بجا لانا۔ (نضرة النعیم: 646/3) کتاب و سنت میں غور کریں تو یہ تعریف شرعی دلائل سے مزین نظر آتی ہے۔

دل کی تصدیق پر ایمان کا اطلاق: ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ "یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے یہی سب لوگوں سے بہتر ہیں۔" (البیّنة 7:98) یہاں اٰمَنُوا سے مراد دل کی تصدیق ہے، آگے اعمال صالحہ کا ذکر الگ کردیا گیا ہے۔

زبان کے اقرار پر ایمان کا اطلاق: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا﴾ "اس کی وجہ یہ بنی کہ پہلے وہ ایمان لائے، پھر کافر ہوگئے۔" (المنافقون 3:63) یعنی انھوں نے زبان سے ایمان لانے کا اعلان کیا، پھر دل میں کفر کو چھپالیا یا مسلمانوں کے پاس آکر ایمان لے آئے اور پھر کافروں کے سامنے کفر کا راستہ اپنالیا۔ دونوں صورتوں میں یہاں «اٰمَنُوْا» سے مراد زبان کا اظہار و اعلان ہے۔

اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ "اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمھارے ایمان کو ضائع کردے۔" (البقرة 143:2) یہاں ایمان سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد کچھ لوگوں نے سوال اٹھایا کہ قبلہ کی تبدیلی سے پہلے پہلے جو لوگ نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور وفات بھی پاچکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا بنے گا؟ انھیں تسلی دی گئی کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ہوں گی انھیں ان کا اجر و ثواب ملے گا۔

عقیدہ و عمل دونوں پر ایمان کا اطلاق: پہلی امتوں میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ عذاب کے آثار دیکھتے ہوئے کسی قوم نے گڑگڑا کر توبہ کی ہو اور اس کے نتیجے میں عذاب کو ٹال دیا گیا ہو سوائے

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



قوم یونس علیہ السلام کے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”سوائے یونس (علیہ السلام) کی قوم کے جب وہ ایمان لائے ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ہٹا دیا اور انھیں ایک وقت (مقرر) تک فائدہ دیا۔“ (یونس 98:10) یہاں ”جب وہ ایمان لائے“ سے مراد وہ دعا ہے جس میں انھوں نے توبہ کی اور عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ انھوں نے کیا سمجھ کر دعا کی تھی؟ کس بات سے توبہ کی تھی؟ ظاہر ہے کہ انھوں نے کفر کو چھوڑا، یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے عذاب ٹالنے کی دعا بھی کی۔ اس سارے عمل کو یہاں «اٰمَنُوْا» کہا گیا ہے۔ عموماً یہ سمجھا سمجھایا جاتا ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں، حالانکہ بندہ جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس عمل کی بابت اس کا کوئی نہ کوئی عقیدہ بھی ہوتا ہے۔ یہی عقیدہ ایمان ہے۔ انھوں نے جو کچھ سمجھ کر دعا کی وہ ان کا عقیدہ تھا، پھر دعا کے دوران توبہ کی، مسلمان ہوئے اور عذاب سے اللہ کی پناہ بھی مانگی تو ان کے سارے عمل کو ایمان کہا گیا ہے۔

ایمان میں کمی بیشی

جس طرح کچھ لوگوں نے کہا کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں، اسی طرح کچھ لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ اعمال صالحہ ایمان کا رکن ہیں۔ پھر اسی بنیاد پر انھوں نے یہ فتویٰ لگا دیا کہ جو شخص اعمال صالحہ نہیں بجا لاتا یا گناہ کرتا ہے تو اس کا کلمے سمیت سارا ایمان ضائع ہو جاتا ہے، گویا وہ دنیا میں مرتد اور آخرت میں پکا جہنمی بن جاتا ہے۔ سب یا بعض تکفیریوں کی بھی یہی سوچ ہے۔ اپنی اسی سوچ کی وجہ سے وہ آج بھی مسلمانوں کو کافروں کے درجے میں رکھنے سے باز نہیں آتے۔ غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کافروں کے لیے نرم اور مسلمانوں کے لیے گرم ہیں۔

حقیقت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، یعنی عمل نہ تو ایمان کا رکن ہے اور نہ ایمان کے دائرے سے بالکل باہر ہی ہے بلکہ ایمان کے لیے تکمیلی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے اور ایمان کی مقدار کو ظاہر کرتا ہے۔ جس قدر بندہ اعمال صالحہ کرتا ہے اسی قدر اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور جس قدر وہ گناہ کرتا ہے اسی تناسب سے اس کے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ایمان کی مضبوطی بندے کو نیک اعمال پر ابھارتی ہے اور نیک اعمال کی بجا آوری ایمان کو بڑھا دیتی ہے۔ یہ دونوں باتیں برحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک مجلس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار افراد کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے تو سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ فرمایا: ہاں، پھر ایک اور آدمی اٹھا اور اس نے بھی یہی بات پوچھی تو آپ نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ» ”اس سعادت میں عکاشہ تم سے بازی لے گیا ہے۔“ (البخاری: 5752، و مسلم: 520-528) وجہ یہ ہے کہ خوشخبری جس وقت سنائی جا رہی تھی اس وقت عکاشہ کا ایمان سب سے زیادہ تھا۔ ایمان کی اس زیادتی نے انھیں فوراً اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ واللہ اعلم! اسی طرح اعمال صالحہ کرنے سے ایمان بڑھتا ہے۔ آپ مشکل حالات میں اللہ کی رضا کے لیے کسی مستحق پر مال خرچ کریں، بعد میں آپ جب نماز پڑھیں گے تو اس کا مزا ہی کچھ اور ہوگا۔ ارشاد باری ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ ”(اے نبی علیہ السلام!) ان کے مالوں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔“ (التوبة 103:9)

الغرض نیکیوں سے ایمان بڑھتا اور مضبوط ہوتا ہے جبکہ گناہوں کی وجہ سے یہ کم اور کمزور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ایک نارمل انسان کے حوالے سے ہے۔ جبر و تشدد کی صورت میں صورتِ حال بدل جائے گی۔ تب اعتبار ظاہری اعمال کا نہیں ہوگا بلکہ دل کی کیفیت کا ہوگا۔ باقی رہی یہ بات کہ فلاں گناہ سے بندہ مرتد ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بندہ اس گناہ سے واقعی مرتد ہو جاتا ہے تو پھر آیا وہ گناہ ملزم سے سرزد ہوا ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ گناہ ملزم سے واقعی سرزد ہوا ہے تو اسے توبہ کا موقع دیا جائے گا یا نہیں؟ حد ارتداد کو نافذ کیا جائے گا تو کب، کہاں اور کیسے؟ یہ سب باتیں اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت یا دیگر ملکی عدالتوں سے متعلق ہیں۔ ایک عام آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اصلاح کی بات کر سکتا ہے، عدالت جا سکتا ہے یا متعلقہ حکام کو اطلاع دے سکتا ہے، لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

یہ بات طے ہے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرنے والا ہر فرد دنیا، قبر اور قیامت ہر جگہ امن و اطمینان پائے گا۔ اللہ ہر ایک کو نصیب کرے۔ آمین!

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ابو علی

غیر مشہور مگر حسن و مقبول روایات

① صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: صبح کی نماز کھڑی ہوگئی تو ایک شخص کھڑا ہوکر دو رکعتیں (نفل) ادا کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کپڑے سے پکڑ کر کھینچا اور فرمایا: «أَتُصَلِّي الصُّبْحَ أَرْبَعًا» ”کیا تم صبح کی (فرض) نماز چار رکعتیں پڑھتے ہو؟“ (مسند أحمد: 238/1)

② لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ کی فضیلت

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قَطُّ مُخْلِصًا، إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، حَتّٰى تُفْضِيَ إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ» ”جو شخص کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ لاالٰہ الااللہ کہتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں، حتیٰ کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا ہے۔“ (جامع الترمذی: 3590، حسنہ الألبانی)

③ عرش کے نیچے جنت کا خزانہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمھیں ایسے کلمے کے بارے میں نہ بتاؤں جو عرش کے نیچے جنت کے خزانے میں سے ہے۔ وہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «أَسْلَمَ عَبْدِي وَاسْتَسْلَمَ» میرے بندے نے اطاعت اختیار کی اور اپنے آپ کو (اللہ کے) سپرد کردیا۔“ (الدعوات الکبیر للبیہقی: 101/1، صححہ الشیخ علیزئی)

④ عورتیں فاسق کیوں ہیں؟

سیدنا عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ فُساق (نافرمان) ہی جہنمی ہیں۔ پوچھا گیا: اللہ کے رسول! یہ نافرمان کون ہیں؟ فرمایا: عورتیں۔ ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول! کیا وہ (عورتیں) ہماری مائیں، بہنیں اور بیویاں نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلٰى، وَلٰكِنَّهُنَّ إِذَا أُعْطِينَ لَمْ يَشْكُرْنَ وَإِذَا ابْتُلِينَ لَمْ يَصْبِرْنَ» ”کیوں نہیں، لیکن جب انھیں نعمتیں ملتی ہیں تو شکر نہیں کرتیں اور جب آزمائش سے دوچار ہوتی ہیں تو صبر نہیں کرتیں۔“ (مسند أحمد: 444,428/3)

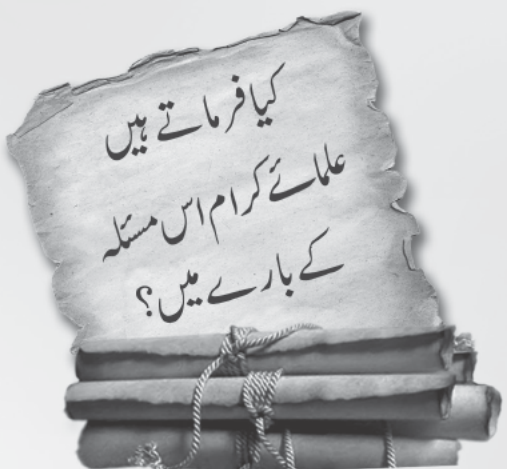
⑤ جہنم کے سانپ اور بچھو

سیدنا عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ”جہنم میں بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح سانپ ہیں، جب وہ ڈنک مارتے ہیں تو چالیس سال تک ان کے زہر کے درد کی شدت محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اور اس میں پالان رکھے ہوئے خچروں کی طرح کے (بڑے بڑے) بچھو ہیں۔ جب وہ ڈستے ہیں تو چالیس سال تک زہر کا اثر محسوس ہوتا رہتا ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 3429)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

آپ کے سوال اور ان کے جواب





ابوالحسن حافظ عبدالخالق

سوال مشہور یہ ہے کہ قبر میں تین چیزوں کے متعلق سوال ہوگا: مَنْ رَبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟ لیکن میری تحقیق میں ان الفاظ سے نہیں بلکہ صرف ان الفاظ سے سوال ہوگا: «مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟» علماء سے بھی اس حوالے سے پوچھا ہے، کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا، اس حوالے سے وضاحت فرمایئے؟

جواب معلوم نہیں آپ کی تحقیق کی بنیاد کیا ہے، یا آپ کا معیار تحقیق کیا ہے؟ یہ تحقیق بالکل ادھوری اور نامکمل ہے، اس نظریے کی کوئی ٹھوس علمی بنیاد نہیں، مختلف کتب حدیث دیکھی ہیں، ان میں بسند صحیح یہ تینوں سوال مروی ہیں، مثلاً: سنن أبي داود (حدیث:4753) دیکھیے! اس میں یہ تینوں سوال ملتے ہیں۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث ہے، اس میں یہ بھی ہے: «يَا هٰذَا مَنْ رَبُّكَ؟ وَمَا دِينُكَ؟ وَمَنْ نَبِيُّكَ...» سیاق کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہی سوال اور کتابوں میں بھی منقول ہیں، مراجعت فرمالیجیے (سنن الترمذی (شاکر) 295/4، حدیث: 3120، سنن النسائی، حدیث: 2059، مسند أحمد 287/4، 295/4، مستدرك حاكم 93/1، مسند بزار 154/17، شعب الإيمان 611/1، حدیث: 390، مصنف عبدالرزاق 580/3، مصنف ابن أبي شيبه 240/19، تحقیق محمد عوامہ، اور کتابوں میں بھی یہ روایت آتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ کے تحت کتب تفسیر بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

سوال ایک عام آدمی صحیح یا ضعیف حدیث کی پہچان کیسے کرسکتا ہے؟ بعض لوگوں کو ہم کوئی حدیث پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم کیسے مان لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، ہم ان کو کیسے مطمئن کریں؟

جواب عربی کا معروف مقولہ ہے: «لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ» ہر فن کے شہسوار ہوتے ہیں۔'' اردو میں بھی معروف ہے: ''جس کا کام اسی کو ساجھے''

خاصی اہمیت کا حامل یہ ایک خاص فن ہے، جس میں حدیثی مہارت، علم الرجال اور علم الاسناد سے واقفیت ازحد ضروری ہے۔ استفادے کا تجربہ ہو اور اس کا طریقہ بھی معلوم ہونا چاہیے، یعنی اس فن میں سلسلۂ اسناد اور متن کی جانچ پڑتال ہی اصل کام ہے اور یہ خاصا مشکل ہے۔ اور یہ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



کام صرف اس فن کے ماہرین ہی کر سکتے ہیں۔ عام آدمی کا سرے سے یہ کام ہی نہیں، اس لیے مذکورہ الجھن کے حل کے لیے راسخ فی العلم اور اس علم کا درک اور تجربہ رکھنے والے علماء ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، لہٰذا ﴿فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ﴾ کی روشنی میں ان کی خدمات حاصل کرنی چاہئیں اور مطلوبہ یا زیر بحث حدیث میں ان کی علمی اور تحقیقی کاوشوں سے مستفید ہونا چاہیے، ان شاء اللہ وہ دلائل کے ساتھ روایت کا ضعف یا اس کی صحت کے بارے میں تسلی بخش جواب دیں گے۔ یا پھر باقاعدہ یہ علم سیکھنا چاہیے، اس میں مہارت تامہ کے بعد ہی صحیح اور درست نتائج حاصل ہو سکتے ہیں، وگرنہ نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملاں خطرۂ ایمان والی بات ہوگی۔

سوال وضو کرتے وقت ابتداءً ہاتھ دھوئے جاتے ہیں، کیا کہنیاں دھوتے وقت ہاتھ دوبارہ دھوئے جائیں گے یا دوبارہ دونوں ہاتھ دھونے کی ضرورت نہیں؟

جواب ابتداءً ہاتھ دھونے کے بعد بازو دھوتے وقت کہنیوں کو پورے ہاتھوں سمیت دھونا بھی ضروری ہے، یہ بھی وضو کا حصہ ہے، دلائل ملاحظہ فرمائیں:

① سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے وضو کا مسنون طریقہ بسند صحیح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: «ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ» ”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا، اور تین دفعہ کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوئے۔“ (صحیح البخاری، حدیث: 159,164,1934، صحیح مسلم، حدیث: (4)226)

صحیح مسلم: (3)226 میں مزید یہ وضاحت ہے: «ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ» ”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں اور بایاں ہاتھ تین تین دفعہ کہنیوں تک دھویا۔“

② عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ» ”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھوئے۔“ (صحیح البخاری، حدیث: 185، 191 صحیح مسلم: 235)

③ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «إِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتّٰى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، فَيَغْسِلُ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ» ”کسی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ وضو اس طرح کامل نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے۔ پس وہ اپنا چہرہ دھوئے، اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے۔“ (سنن أبي داود: 858، سنن النسائي: 1137)

④ ابن ماجہ کی وہ حدیث جس میں سہل بن حنیف کو عامر بن ربیعہ کی نظر لگنے کا ذکر ہے، اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر رضی اللہ عنہ کو وضو کرنے کا حکم دیا، اس میں یہ بھی ہے: «فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ» ”چنانچہ انھوں نے اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے۔“ (سنن ابن ماجہ: 509، السنن الکبریٰ للنسائي: 60/6، حدیث: 10036)

⑤ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مسنون وضو کر کے دکھایا اور اس میں بھی دونوں ہاتھوں کے دھونے کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاری: 140، مسند طیالسی: 2782، 381/4)

طیالسی کے یہ الفاظ ہیں: «وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّةً مَرَّةً» اس کی سند میں خارجہ بن مصعب ضعیف ہے لیکن دیگر شواہد و طرق سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

سوال ایک شخص پر غسل واجب ہے، مگر پانی اس قدر دستیاب ہے کہ صرف وضو ہو سکتا ہے، کیا اس صورت میں طہارت کے لیے وضو کافی ہوگا یا تیمم کریں گے یا پھر دونوں کا اہتمام کرنا ہوگا؟

جواب اس مسئلے میں کوئی واضح اور فیصلہ کن دلیل نہیں ملی، البتہ عمومی دلائل سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ بقدر وضو پانی سے وضو اور بعد میں تیمم کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ”تم اللہ سے ڈرتے رہو جتنی تمھارے اندر استطاعت ہو۔“ (التغابن 64:16)

چونکہ دریں صورت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس طرح ہی ممکن ہے کہ بقدر وضو پانی سے وضو کر لے اور باقی حصے کے لیے تیمم، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے: «وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» ”اور جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بقدر استطاعت بجالاؤ۔“ (صحیح البخاری: 7288، صحیح مسلم: (412)1337)

چونکہ مذکورہ عمل استطاعت میں ہے، اس لیے اسے عمل میں لایا جائے۔ یہ شریعت کا انتہائی اہم اور عمدہ اصول ہے۔ (بقیہ صفحہ: 12 پر)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



عبدالمالک مجاہد

خادم حرمین شریفین
شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ
بھی غفور ورحیم کے پاس چلے گئے

ممتاز صنعتکار چودھری فریاد احمد کے گھر میں جمعرات 22 جنوری کو رات گئے تک عشائیہ کی تقریب جاری رہی۔ سعودی عرب میں پاکستان کے نئے سفیر جناب منظورالحق مہمان خصوصی تھے۔ ریاض آنے کے بعد پاکستانی کمیونٹی کے ساتھ یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ میں قدرے جلدی اٹھ آیا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے کہ اہلیہ نے بہت گھبرائے ہوئے لہجے میں بتلایا: مجاہد صاحب! بڑی ہی افسوسناک خبر ہے کہ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کہنے لگیں: میری ایک دوست نے ابھی مجھے موبائل پر پیغام بھیجا ہے۔ مجھے اعتبار نہ آیا۔ میں نے فوراً دارالسلام کے مشرف جناب محمد المعتاز کو فون کیا۔ زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں خبر کی تصدیق چاہتا تھا۔ ایک دو رسمی جملوں کے بعد میں اپنی بات نوک زباں پر لے آیا۔ کوئی خاص خبر؟ کہنے لگے: کچھ نہیں، بس افواہیں گردش کر رہی ہیں، اللہ خیر کرے گا۔ ہماری زبان سے خادم حرمین شریفین کی صحت یابی کے لیے دعائیں جاری ہو گئیں۔ وہ گزشتہ دو ہفتوں سے ہسپتال میں داخل تھے۔ ہر مجلس میں، ہر جگہ، ہر مقام پر جہاں بھی لوگ اکٹھے ہوتے، ان کی صحت اور درازیِ عمر کے لیے دعائیں ہوتیں۔ میں اکثر اپنی نجی مجالس میں کہا کرتا ہوں کہ ان بزرگوں میں بڑی خیر ہے۔ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رہے۔ ان کی وجہ سے بہت برکتیں ہیں۔ تہجد کی نماز سے پہلے میرا موبائل خبر کی تصدیق کر چکا تھا۔ میں نے حسرت بھرے انداز میں اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ہم دونوں میاں بیوی نے شاہ عبداللہ کے بارے میں نیک تمنائیں اور دعائیں شروع کر دیں۔ اہلیہ کہہ رہی تھیں: وہ کتنے خوش قسمت تھے کہ انھیں جمعہ کا دن نصیب ہوا ہے۔ عصر کی نماز کے وقت ان کا جنازہ ہے جو قبولیتِ دعا کے اوقات میں شامل ہے۔ بلاشبہ لاکھوں لوگوں نے ان کے لیے غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی ہے۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور آل سعود کی تاریخ پر غور کرنے لگا۔ ریاض کے علاقہ پر آل سعود صدیوں سے حکومت کرتے چلے آرہے ہیں۔ شاہ عبداللہ کے والد گرامی شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود نے آج سے 115 سال قبل جدید سعودی عرب کی بنیاد رکھی تھی۔ اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص ان بدوؤں کو وحدت کی لڑی میں پرو سکتا ہے۔ یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لوگ ان

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



پڑھ تھے۔ ملک میں بدامنی تھی۔ حجاج کو لوٹا جاتا تھا۔ غربت اور افلاس کے ساتھ توہم پرستی بھی موجود تھی۔ شاہ عبدالعزیز ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے ان تھک محنت اور جدوجہد سے پوری قوم کو متحد کر دیا۔ انھوں نے حرمین شریفین کی توسیع کی۔ ملک میں امن وامان قائم کیا۔ شرعی حدود کو قائم کیا۔ ملک کا دستور قرآن وسنت کو قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے توحید کی برکت سے اس ملک کو تیل کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ حرم مکی میں چار مصلے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے امت کو ایک امام کے پیچھے نماز کے لیے اکٹھا کر دیا۔ وہ قوم جو منتشر تھی اور غربت وافلاس کی زندگی بسر کر رہی تھی اس شخصیت نے اسے چند سالوں میں دنیا کی ترقی یافتہ قوموں میں شامل کر دیا۔

شاہ عبدالعزیز کے صاحبزادے شاہ سعود، شاہ فیصل، شاہ خالد، شاہ فہد رحمہم اللہ کے بعد شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے جب زمامِ اقتدار سنبھالی تو سعودی عرب کو مزید ترقی یافتہ اور جدید بنانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر ڈالیں۔

شاہ عبداللہ مرحوم عالم اسلام کے عظیم رہنما تھے۔ پاکستان کے ساتھ ان کو خصوصی دلی محبت تھی۔ پاکستان کے موجودہ وزیراعظم کو جب مشرف حکومت نے ناجائز مقدمات میں الجھا کر ان کے لیے مشکلات کا ماحول پیدا کر دیا اور میاں صاحب کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا تو شاہ عبداللہ نے جو اس وقت سعودی عرب کے ولی عہد تھے، خصوصی دل چسپی لے کر ان کو سعودی عرب بلوایا اور ان کی یہاں شاندار مہمان نوازی کی۔ میاں صاحب ان کی وفات سے ایک روز قبل خصوصی طور پر پاکستان سے ان کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے تھے۔ ان کی وفات پر اہل پاکستان نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور ہمارے قومی قائدین نے کہا: شاہ عبداللہ کی وفات سے پاکستان ایک مخلص اور ہمدرد دوست سے محروم ہو گیا ہے۔ شاہ عبداللہ کا یہ قول کس قدر حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ پاکستان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے: دوست بدلے جاسکتے ہیں لیکن بھائی تبدیل نہیں کیے جاسکتے۔ جب پاکستان نے میاں نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں ایٹمی دھماکہ کیا اور پوری دنیا پاکستان پر پابندیاں لگا رہی تھی اس وقت ولی عہد عبداللہ بن عبدالعزیز تھے جو شاہ فہد کی علالت کے باعث حکومتی معاملات چلا رہے تھے، انھوں نے پاکستان کو مفت تیل دینے کا فیصلہ کیا جس سے پاکستانی معیشت کو بہت سہارا ملا۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی حکمرانی کو دس برس پورے ہو چکے تھے اور اب ان کی حکومت کا گیارہواں سال چل رہا تھا، جب ۹۰ برس کی عمر میں ان کو مالک حقیقی کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ انھوں نے 26 جمادی الثانیہ 1426 ہجری کو اپنے بھائی شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ آج سعودی عوام اور پوری دنیا کے مسلمان اپنے محبوب قائد کو ان کی شاندار خدمات پر خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔ اخبارات نے اس موقع پر خصوصی ایڈیشن شائع کیے ہیں۔ ریڈیو اور سیٹلائٹ چینلز نے اس مناسبت سے ان کے حالات زندگی اور کارناموں پر مشتمل خاص پروگرام پیش کیے ہیں۔ شاہ عبداللہ اپنے والد ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارہویں بیٹے تھے۔ 1924ء میں ریاض میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد شاہ عبدالعزیز آل سعود سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کی تعلیم وتربیت شاہی ماحول میں ہوئی۔ ان کے والد نے اپنی اولاد کے لیے خصوصی تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں بڑے بڑے علماء ومشائخ شہزادوں کی تعلیم کے لیے مختص تھے۔ شاہ عبداللہ کی ساری زندگی حکومتی ذمہ داریوں کو نبھاتے گزری۔ وہ اعلیٰ درجے کے منتظم اور نہایت جفاکش اور محنتی حکمران تھے۔ لمبے قد اور خوبصورت شخصیت کے مالک شاہ عبداللہ نے گزشتہ دس سالوں میں اپنے ملک کو خوب ترقی دی ہے۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے انھوں نے اپنے دور میں تعلیم پر خوب توجہ دی ہے۔ سعودی عرب ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ اقتصادی اعتبار سے دنیا کے امیر ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ سعودی عوام کو حکومتی تعاون اور مدد اس طرح ملتی ہے کہ انھیں انڈسٹری لگانے کے لیے بغیر سود کے بیس سال کے لیے قرضہ دیا جاتا ہے جس کی ادائیگی بڑی آسان قسطوں میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی پوری ذمہ داری سے قسطیں ادا کر دے تو حکومت اس کی آخری قسطیں معاف کر دیتی ہے۔ آل سعود کی مضبوط حکومت کا اصل راز اس کی عوام میں مقبولیت ہے۔ وہ اپنے حکمرانوں سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ اور بادشاہ بھی اپنے عوام کی بہتری کے لیے ہر وقت سوچتے رہتے

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ہیں۔ سعودی عرب دنیا کا واحد ملک ہے جہاں پٹرول نہایت سستا ہے۔ شاہ عبد اللہ نے اپنے عوام کی سہولت کے پیش نظر 1427ھ کے آغاز میں پٹرول کی قیمت 90ہللہ فی لیٹر سے کم کر کے 60ہللہ فی لیٹر کردی۔ یہ ان کا نہایت تاریخ ساز فیصلہ تھا۔ ہر چند کہ پوری دنیا میں مہنگائی کا طوفان آیا ہوا ہے جس سے سعودی معیشت بھی یقیناً متاثر ہوئی مگر آج بھی اگر دیگر ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو سعودی عرب بہت سارے سیکٹرز میں دنیا کا نہایت سستا ملک ہے۔ پٹرول کے رعایتی نرخوں نے ملکی اقتصاد پر بڑا مثبت اثر ڈالا اور ٹرانسپورٹ سمیت بہت سے شعبوں میں اشیاء کی قیمتیں کم ہوئیں۔

شاہ عبد اللہ کے دور میں سعودی عرب کی معیشت نے بے حد ترقی کی۔ دنیا میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا یہ ملک اقتصادی اعتبار سے بڑا مضبوط ہے۔ جتنا کیش فلو اس ملک میں میسر ہے شاید ہی کسی دوسرے ملک میں دولت کی اس قدر ریل پیل ہو۔

سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے جہاں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے وہاں حرمین شریفین کا وجود سب سے بڑی نعمت اور باعث برکت ہے۔ دنیا میں کون سا ایسا مسلمان ہوگا جس کا دل حرمین شریفین کے لیے نہ دھڑکتا ہو اور وہ یہاں کی زیارت کے لیے نہ آنا چاہتا ہو۔ سعودی حکمرانوں نے ہر دور میں حرمین شریفین کی توسیع کو اولیت دی ہے۔ خادم الحرمین الشریفین کہلانے والے شاہ عبد اللہ نے اپنے عہد میں حجاج اور معتمرین کی سہولتوں میں مزید اضافوں کے احکام جاری کیے۔ انھوں نے ذاتی طور پر ان منصوبوں میں دلچسپی لی۔ اگر مدینہ طیبہ جائیں تو بقیع الغرقد کی جانب آپ کو حد نگاہ تک مسجد کی توسیع کے اعمال اور ترقیاتی کام نظر آئیں گے۔ جمعہ اور عیدین کے موقع پر مسجد نبوی کے طویل وعریض صحن نمازیوں سے بھر جاتے تھے۔ رمضان المبارک اور حج کے ایام میں پوری دنیا سے ضیوف الرحمن آتے تو شدید دھوپ میں عبادت کرنا مشکل ہوجاتی تھی۔ 1427 ہجری میں شاہ عبد اللہ مدینہ طیبہ گئے تو انھوں نے مسجد کے تینوں اطراف میں برقی سائبان لگانے کا حکم دیا۔ چند ماہ قبل راقم الحروف کو مدینہ طیبہ جانے کا موقع ملا تو اس وقت یہ برقی سائبان کام کررہے تھے۔ ان کی تنفیذ کا مرحلہ مکمل ہوچکا ہے۔ ان سائبانوں کے نیچے دو لاکھ نمازیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ بلاشبہ یہ شاہ عبد اللہ کا بڑا عظیم کارنامہ ہے جو یقیناً ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

گزشتہ کئی سالوں سے حرم مکی کی توسیع کا کام جاری ہے۔ مروہ کی طرف حد نگاہ تک عمارتوں کو خرید کر انھیں حرم میں شامل کرنے کا منصوبہ جاری وساری ہے۔ جبل عمر کا منصوبہ ایک تاریخی منصوبہ ہے۔ یہاں پر بھی دن رات کام جاری ہے۔ سعودی عرب کی بڑی بڑی کمپنیاں توسیع حرم میں اپنا حصہ ڈال رہی ہیں۔ شاہ عبد اللہ کی عمیق نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ دنیا بھر میں اسلام پھیلتا جارہا ہے۔ مسلمانوں میں اسلامی اقدار کی پاسداری بڑھتی جارہی ہے۔ ان کی اقتصادی حالت پہلے سے کہیں بہتر ہے۔ حج بیت اللہ ان پر فرض ہونے کی وجہ سے بہت بڑی

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



اکثریت حج اور عمرہ کی خواہاں ہے۔ ان کی ہدایت پر مکہ مکرمہ میں کئی ایک ماسٹر پلانز پر کام ہورہا ہے۔

حجاج کرام اور معتمرین کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس میں ٹرانسپورٹ کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ جدہ سے مکہ مکرمہ اور پھر مکہ سے مدینہ طیبہ قریباً ہر حاجی کو جانا ہوتا ہے۔ بعض اوقات جدہ سے مکہ پہنچنے میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تک آنے جانے میں بعض اوقات پورا دن صرف ہوجاتا ہے۔ شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز کی ہدایت پر ایک جامع منصوبہ بنایا گیا ہے جس کے تحت جدہ سے مکہ مکرمہ تک اور پھر مدینہ طیبہ تک ٹرین چلانے کا پروگرام ہے۔ اس منصوبے کو حرمین ٹرین کا نام دیا گیا ہے۔

جلد ہی ان شاء اللہ دنیا کے مقدس ترین شہروں کے درمیان ٹرین چلنا شروع ہوجائے گی۔ جدہ کے ایئرپورٹ سے شروع ہوکر یہ ٹرین پہلے جدہ شہر اور پھر مکہ مکرمہ روانہ ہوگی۔ ریلوے لائن کی دو رویہ پٹری کے ڈیزائن مکمل ہوچکے ہیں۔ منصوبے پر کام بھی شروع ہوچکا ہے جس کے مطابق مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تک اور جدہ سے مدینہ طیبہ تک ریلوے لائن بچھائی جائے گی۔ اس ٹرین کے چار بڑے اسٹیشن ہوں گے۔ پہلا اسٹیشن کنگ عبد العزیز ایئرپورٹ، دوسرا اسٹیشن جدہ سٹی سنٹر، تیسرا مکہ مکرمہ اور چوتھا مدینہ طیبہ ہوگا۔ تین سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی یہ ٹرین صرف آدھ گھنٹے میں مکہ مکرمہ پہنچ جایا کرے گی۔ مکہ مکرمہ یا جدہ سے مدینہ طیبہ کے لیے حرمین ٹرین 450 کلومیٹر کا فاصلہ صرف دو گھنٹے میں طے کرے گی۔ حرمین ٹرین شرق اوسط میں سب سے زیادہ تیز رفتار ٹرین ہوگی۔ اس طرح حجاج اور معتمرین کو نہایت محفوظ اور تیز وسیلہ سفر میسر آجائے گا۔

اسی طرح دمام براستہ ریاض جدہ اور مدینہ منورہ تک بھی ریل کی پٹڑی بچھانے کا کام جاری ہے۔ اگلے چند برسوں میں یہ ٹرین بھی ان شاء اللہ چل جائے گی اور مملکت کے لوگوں اور یہاں کے رہائشی لوگوں کو ایک بڑی سہولت مہیا ہو جائے گی۔ ریاض شہر میں میٹرو بس سروس اور میٹرو ٹرین کا منصوبہ بھی شاہ عبد اللہ مرحوم کے زرخیز ذہن کی پیداوار ہے۔ ان منصوبوں پر کام شروع ہو چکا ہے۔ ان شاء اللہ ریاض کے باسی جلد ہی ان بسوں اور ٹرین پر سفر کریں گے۔

مکہ مکرمہ یا جدہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے راستہ میں پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہاں وادیاں ہیں۔ صحراء بھی ہے۔ فاصلوں کو کم کرنے کے لیے کئی سرنگیں اور فلائی اوور پلوں کو بنانے کا منصوبہ شروع کردیا گیا ہے۔ کل 94 نئے پل بنائے جائیں گے۔ اس وقت تک بہت سارے پلوں کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے۔ ان پلوں کی کل لمبائی 10850 میٹر ہوگی۔ سعودی عرب میں ابھی تک اونٹ صحراء میں چرتے ہیں۔ دوران سفر آپ کو دور دور تک صحراء میں اونٹ چرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہلے بدو پیدل ان کے پیچھے بھاگتے تھے۔ اب گاڑیاں لیے وہ اپنے اونٹوں کا تعاقب کرتے نظر آتے ہیں۔ اونٹوں کے گزرنے کے لیے خصوصی طور پر 13 پل بنائے جائیں گے۔ بارش کے پانی کو گزارنے کے لیے 141 پل بنائے جائیں گے۔

وزارت ٹرانسپورٹ نے اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے مقررہ وقت کا اعلان کردیا ہے۔ اس عظیم منصوبہ کو دو بڑے مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چونکہ حرمین ٹرین نے بجلی کی طاقت سے چلنا ہے۔ جس کے لیے بجلی کے کھمبوں کی تنصیب اور ٹیلی فون لائنوں کے بچھانے کا کام بھی جاری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پٹری بچھانے کا کام بھی تیزی سے جاری ہے۔ جب کام مکمل ہوجائے گا تو اس کے بعد چھ ماہ تک آزمائشی طور پر ٹرین چلائی جائے گی۔ اور اس کے بعد یقیناً انتظار کی گھڑیاں ختم ہوجائیں گی اور حجاج کرام بڑے امن وسکون سے جدہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کا سفر کرسکیں گے۔

سعودی عرب میں حرمین ٹرین کے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے کتنی ہی کمیٹیاں بنی ہیں۔ کتنے تھنک ٹینک ہیں جو حجاج اور معتمرین کے لیے سہولتیں پیدا کرنے اور مشکلات کم کرنے کا کام کررہے ہیں۔ جیسے جیسے مسافروں کی تعداد بڑھتی جائے گی حرمین ٹرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ جدہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہر آدھ گھنٹہ کے بعد ٹرین چلے گی، جبکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہر دو گھنٹے بعد حرمین ٹرین روانہ ہوگی۔ اسی طرح حج عمرہ سیزن کے علاوہ عام دنوں میں بدھ، جمعرات اور جمعہ کو اضافی ٹرین چلا کرے گی۔ حج کے ایام میں یہ حرمین ٹرین چوبیس گھنٹے چلا کرے گی۔ مستقبل میں جدہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہر دس منٹ کے بعد اور مدینہ طیبہ کے لیے جدہ سے ہر گھنٹے بعد حرمین ٹرین روانہ ہوگی۔

حجاج کرام کی تعداد میں سالانہ 1.41% اضافہ ہورہا ہے۔ اسی طرح معتمرین کی تعداد میں

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



3.14% سالانہ اضافہ ہورہا ہے۔ اس وقت بھی سالانہ کئی ملین حجاج اور معتمرین سعودی عرب آرہے ہیں۔ اگلے پچیس سال میں ان کی تعداد دوگنا ہونے کی توقع ہے۔ راقم الحروف کا تجزیہ ہے کہ یورپی ممالک میں بسنے والے تمام مسلمانوں پر حج فرض ہے۔ کیونکہ وہاں پر رہتے ہوئے سفر کے اخراجات کا مہیا کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ سعودی عرب امن کا گہوارہ ہے۔ حجاج اور معتمرین کی سلامتی سعودی حکومت کی اولین ترجیح ہے۔ حاجیوں کو لوٹنے والی باتیں قصہ پارینہ ہیں، اس لیے آئندہ برسوں میں یورپ اور امریکہ سے بے شمار لوگ حج اور عمرہ کرنے آئیں گے۔ حرمین ٹرین کا منصوبہ بلاشبہ تاریخی منصوبہ ہے اور خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا نام صدیوں تک یاد رکھا جائے گا کہ ان کے عہد میں یہ عظیم الشان منصوبے معرض وجود میں لائے گئے۔

سعودی عرب اس دوران W.T.O کا ممبر بنا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان شاہ عبداللہ کی مغفرت اور بلندیِ درجات کی دعا کررہے ہیں۔ شاہ عبداللہ صرف ارض مقدس کے حکمران ہی نہیں تھے وہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک خاص مقام ومرتبہ رکھتے تھے۔ وہ ایک دبنگ بادشاہ، اتحاد امت کے نقیب اور پروقار وبارعب شخصیت کے مالک حکمران تھے۔ مسجد حرام کی توسیع، مطاف کعبہ کی توسیع، صفاومروہ کے درمیانی حصے کی توسیع، مسجد نبوی شریف کے صحنوں کی توسیع اور حرم شریف کے بلند وبالا میناروں کی تعمیر ان کے ایسے شاندار کارنامے ہیں کہ دنیا انھیں ہمیشہ یاد رکھے گی۔ شاہ عبداللہ مرحوم نے اپنے ملک سے دہشت گردی ختم کرنے کے لیے بھی بہت حکیمانہ اور دانشورانہ طریقے اختیار کیے۔ انھوں نے تائب ہو جانے والوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں بھاری انعامات سے بھی نوازا۔ سعودی عرب کے دشمن اور یہاں کی قیادت رشیدہ سے بغض رکھنے والے بہت سے لوگ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور جیسے ہی کسی بادشاہ کا انتقال ہوتا ہے، وہ افواہوں کے بازار گرم کر دیتے ہیں مگر جب آل سعود دانش وحکمت سے کام لے کر تمام معاملات کو درست طریقے سے چلاتے ہیں اور ملک وقوم مزید ترقی وکامیابی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے تو افواہ سازوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز مرحوم اپنے تمام امور کتاب وسنت کی رہنمائی میں چلا رہے تھے۔ انھوں نے سرزمین حرمین شریفین میں شریعت کا بول بالا کر رکھا تھا۔ مملکت کے ارباب حل وعقد نے بہت اطمینان سے ریاست کے نئے بادشاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود سے بیعت کر لی ہے اور ان کے لیے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں شریعت مطہرہ کی روشنی میں تمام ریاستی امور کی انجام دہی کی بہترین توفیق عطا فرمائے۔ پوری سعودی قوم متحد ومتفق ہے اور دشمنان اسلام و دشمنان سعودیہ کے لیے سوائے حسرت ویاس کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

جہاں تک پاکستان کے ساتھ آل سعود اور شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے تعلق کی بات ہے تو اس بارے میں بڑی تفصیل سے ان شاء اللہ لکھا جائے گا۔

بقیہ: ہماری منڈیاں

زیادہ لگاتے ہیں۔ خریدار کو نقصان پہنچاتے ہیں اور صاحب مال کی طرفداری کرتے ہیں۔

④ جو چیز موجود نہ ہو اس کی خرید و فروخت نہ کی جائے

حدیث میں ہے: «لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» ”جو چیز موجود نہ ہو اس کی بیع نہ کرو۔“ (سنن أبي داود: 3503)

ہماری مارکیٹوں، بازاروں اور منڈیوں میں زیادہ تر جھگڑے اور فساد کا سبب یہی بات ہوتی ہے کہ خریدار کو وعدے کے مطابق فروخت شدہ چیز نہیں ملتی۔

⑤ کسی کے سودے پر سودا نہ کیا جائے

حدیث میں ہے کہ ”کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔“ (صحيح البخاري: 2140)

جب دو آدمی لین دین کررہے ہوں اور ان کے درمیان بات طے ہوتی ہوئی نظر آرہی ہو یا ان کا آپس میں معاملہ طے ہوچکا ہو تو پھر کسی دوسرے شخص کو اس بات کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ دخل اندازی کرے۔

یہ وہ پانچ بنیادی اصول ہیں اگر ہم ان کا خیال رکھیں تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ ہمارے کاروبار میں نہ صرف یہ کہ برکت ہوگی بلکہ ہماری منڈیاں اور بازار دن دگنی اور رات چوگنی ترقی بھی کریں گے۔ ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وما توفيقي الا باللّٰه عليه توكلت واليه أنيب.

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

علم استشراق اور موجودہ مغربی روش

محمد انیس الرحمٰن

فرانسیسی جریدے میں چارلی ایبڈو میں شائع ہونے والے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت اور اس کے نتیجے میں ہونے والے ردعمل کا شور ابھی تھما نہیں تھا کہ یورپ کے علاوہ مسلم کش سرگرمیاں امریکہ میں بھی شروع ہوگئیں اور اسی تناظر میں امریکہ میں فائرنگ کرکے نارتھ کرولینا میں تین مسلمان طلبہ کو قتل کردیا گیا۔ جرمنی اور یورپ کے چند دیگر ملکوں میں دیواروں پر مسلمانوں کے خلاف وال چاکنگ شروع کردی گئی۔ مسلم دنیا میں اس توہین رسالت پر تو جو احتجاج ہوا وہ اپنی جگہ ہے لیکن خود مغرب میں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں نے بھی اس پر پُرزور احتجاج کیا ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ''کارٹونوں'' کی حد تک اتر آنے والا مغرب حالات کے ہاتھوں خود کارٹون بن چکا ہے۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہوگی کہ عالمی حکمرانوں نے فرانسیسی اخبار پر ہونے والے ردعمل، یعنی حملے کے خلاف پیرس میں ایک ریلی نکالی اور دیگ سے زیادہ چمچہ گرم کے مصداق کچھ مسلم ممالک کے حکمران بھی اس ریلی میں شریک ہوکر اپنی عاقبت کی دھجیاں اڑاتے رہے۔ گزشتہ دو تین دہائیوں سے مغرب نے اسلام کے خلاف جو بچکانہ روش اختیار کی ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پاس علمی سطح پر اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ نہیں بچا۔ حالانکہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اہل مغرب نے استشراق کے نام پر اپنے ہاں بڑے بڑے علمی اداروں کی داغ بیل ڈالی جہاں پر اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے خاصی علمی تحقیقات ہوتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ گزشتہ ایک ہزار برس سے کسی نہ کسی طور جاری رہا ہے لیکن اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علمی سطح پر اسلام میں نقائص تلاش کرنے والے مغرب کو اس بات کا یقین ہوچکا ہے کہ اسلام کو علم کی بنیاد پر شکست نہیں دی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اب علمیت سے دامن چھڑا کر جہالت کو اپنا شیوا بنالیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ علمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو شکار بنانے کی خواہش رکھنے والے مغرب کو اس بات کا اچھی طرح ادراک ہوچکا ہے کہ علم اور دلیل کی بنیاد پر اسلام کو

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ناقص ثابت کیا ہی نہیں جاسکتا بلکہ الٹا ان کے سیکڑوں مستشرقین اسلام کے شکار کے شوق میں خود اسلام کا شکار بنتے چلے گئے ہیں۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد مشرق اور مغرب میں فاصلے خاصے سمٹ چکے تھے۔ میڈیا کے ذریعے مغرب، مشرق پر حملہ آور ہوچکا تھا لیکن اس کے جارحانہ انداز میں ابھی وضعداری اور سنجیدگی کا عنصر غالب تھا۔ جدید تاریخ کے اس دور میں پروان چڑھنے والے ادب اور فنون لطیفہ نے دنیا کو نئے زاویے متعارف کرائے۔ پچاس کی دہائی سے لے کر اسّی کی دہائی کے نصف اول کو مغرب کا کلاسیکل سنہری دور کہا جاسکتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب مغرب نے موسیقی، فلمی صنعت، صحافت، تحقیق، تصنیف میں کمال عروج حاصل کیا اور دنیا کو اس کی تقلید پر مجبور ہونا پڑا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم شعبہ جو امریکہ اور یورپ میں کئی صدیوں سے کام کررہا ہے وہ استشراق (Orientalism) کا شعبہ تھا۔ جی ہاں یہ وہی شعبہ ہے جس سے متعلق محققین کو ہم مستشرقین (sOrientalist) کے نام سے جانتے ہیں۔ اس شعبے میں یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات سے لے کر تعلیم یافتہ پادری بھی شامل تھے۔ اوائل میں یہ شعبہ مشرقی علوم، وہاں کی ثقافت، زبانیں اور قوموں کے عادات واطوار سے متعلق تحقیق تک مختص رہا لیکن بعد میں اس کا دامن صرف اسلام اور مسلمانوں سے متعلق تحقیقات تک محدود ہوگیا۔ اس شعبے کی ابتدا کے بارے میں عرب اور مغربی علماء میں اختلاف ہے۔ لیکن جمہور علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس وقت عالم عیسائیت کو بلاد شام سے بدحواسانہ انداز میں پسپا ہونا پڑا اور اس نے مسلمانوں کو یورپ کے دروازوں تک اپنے تعاقب میں پایا تو مسلمانوں اور اسلام سے متعلق آگاہی کی خواہش کے بطن سے اس علم نے جنم لیا۔ صلیبی جنگوں کے دور میں اسلام اور عیسائیت کا ایک مرتبہ پھر آمنا سامنا ہوا۔ میدان جنگ کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن جب دو قومیں آمنے سامنے آتی ہیں تو ان کی ثقافت اور فکر بھی رزم آرا ہوجاتی ہیں۔ صلیبی جنگوں کے دور میں جو اثرات عرب اسلامی ثقافت کے مغربی تہذیب پر پڑے وہ اس دور کی مغربی تصنیفات میں نمایاں ہیں۔ اسی طرح جو اثرات مغربی ثقافت نے عرب ثقافت پر چھوڑے وہ اس دور کی عرب شاعری اور ادب میں نمایاں ہیں۔ اس حوالے سے دمشق سے شائع ہونے والی کتاب ''شعر الحروب الصلیبیہ'' میں اس کی واضح جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

مغرب کے نزدیک اسلام اور مغرب کے درمیان ہونے والی ابتدائی معرکہ آرائیوں میں جو شعور اجاگر ہوا وہ یہ تھا کہ مشرق میں مغرب کی سرمایہ دارانہ استعماری سوچ کے سامنے اگر کوئی واحد رکاوٹ ہے تو وہ اسلامی فکر ہے۔ کیونکہ جاپان سے لے کر غرب الہند تک کوئی مشرقی قوم اور مذہب ''نظام'' کے وصف سے متصف نہیں تھا۔ یہ صرف دین اسلام ہی تھا جو معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کا حامل تھا۔ یہ صرف عبادات کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ اس نے طبعیات اور مابعد الطبعیات کے میدانوں میں بھی اتصال پیدا کررکھا تھا۔ انھی خدشات کی بنا پر مغرب میں بڑے بڑے تحقیقی ادارے اور یونیورسٹیوں کے ڈیپارٹمنٹ تشکیل دیے گئے جہاں پر علمی سطح پر اسلامی فکر میں نقب لگانے کے کام زوروں سے شروع ہوئے۔ قرآن کریم، حدیث اور سنت نبوی اس تحقیق کے خاص ہدف ہوتے تھے۔ ایسی ہی یورپ کی قدیم ترین درسگاہوں میں سے ہالینڈ کی لائڈن یونیورسٹی اور پیرس کی سوربون یونیورسٹی میں راقم کو بھی درس تحقیق کا موقع میسر آیا۔ مستشرقین کے طریقۂ واردات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آئی کہ وہ قرآن کریم اور حدیث نبوی پر اپنے فکری بغض کی بنیاد پر علمی اعتراض لگانے کے لیے ہمیشہ علمی راستہ اختیار کرتے تھے۔ اور اس بات سے بھی استشراقی موضوعات کے صفحات بھرے پڑے ہیں کہ قرآن کریم کا فکری شکار کرنے والے بے شمار مغربی مستشرقین خود قرآن کریم کی حقانیت کا شکار ہوگئے۔ لیکن آج جب قرآن کریم کے احکام کو مغرب کے دباؤ پر توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے تو مغرب کے اس گرے ہوئے معیار پر انتہائی افسوس ہوتا ہے۔ نائن الیون کے بعد اسلام کو جس انداز میں متشدد دین ثابت کرنے کی کوشش کی گئی وہ اکیسویں صدی کی جھلائی ہوئی مغربی فکر کی واضح عکاسی ہے۔ یہ معیار اسی وقت شروع ہوتا ہے جب علم و دلیل کی سرحد ختم ہوجائے۔ جب کوئی قوم تمدن کی بلند ترین سطح پر پہنچ کر تہذیب کی اسفل ترین سطح پر گر جائے تو اسی قسم کے ردعمل سامنے آتے ہیں۔ افغانستان کی جیلوں سے لے کر گوانتاناموبے کے عقوبت خانوں تک اور اب وہاں سے امریکی کلیساؤں تک۔

بقیہ صفحہ نمبر: 56 پر

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



خادم الحرمین الشریفین

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز

کے ساتھ ایک یادگار ملاقات

خالد سیال

خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ 23 جنوری 2015ء بروز جمعۃ المبارک اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! شاہ عبداللہ کی وفات کی خبر سنتے ہی مجھے چھ سال قبل ان سے ہونے والی ایک ملاقات یاد آگئی، جس کی خوشبو آج بھی انگ انگ میں رچی بسی ہے۔ یہ سعودی عرب کے فرمانروا خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے قصر شاہی کا دیوان خاص ہے۔ پورے عالم اسلام سے آئے ہوئے مہمانان گرامی شاہ عبداللہ کی آمد کے منتظر ہیں، قرآنی آیات اور خوبصورت نقش و نگار سے سجا ہوا قصر شاہی کا دیوان خاص خوشبوؤں سے مہک رہا ہے۔ مہمان ایک دوسرے سے تعارف کر رہے ہیں، اسی دوران میں دیوان خاص کے بڑے گیٹ سے شاہ عبداللہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے ہمراہ بڑے وقار اور عاجزی کے ساتھ ہال میں داخل ہوتے ہیں اور ہاتھ کے اشارے سے اپنے مہمانوں کو سلام کرتے ہوئے سامنے اپنی مخصوص نشست پر جلوہ افروز ہوجاتے ہیں۔ عالم اسلام کے اس ہر دلعزیز حکمران کی آمد پر کوئی نعرہ لگتا ہے نہ کوئی خوشامدی ٹولہ ان کے ہمراہ ہے جو حکمرانوں کو کوئی مافوق الفطرت قسم کی مخلوق بنا کر پیش کرتا ہے۔ خادم الحرمین الشریفین جونہی اپنی نشست سنبھالتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت شروع ہوجاتی ہے، قاری صاحب کی آواز دل میں اترتی چلی جارہی ہے۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد شاہ عبداللہ اپنے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ دو تین منٹ کے اپنے افتتاحی خطاب کے دوران میں شاہ عبداللہ نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ ”اسلام ہی ہمارے لیے فخر کا باعث اور باہمی پہچان کا سبب ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی اور رشتہ نہیں۔“ نہ کوئی لمبی چوڑی تقریر، نہ لیکچر جھاڑنے کا شوق اور نہ ہی بلند بانگ دعوے مگر یہ مختصر الفاظ حاضرین کے دلوں میں اترتے چلے گئے۔

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں ہونے والی اس تقریب میں پوری دنیا سے معروف شخصیات کو مدعو کیا گیا تھا، پاکستان سے جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے نائب امیر اور معروف دانشور پروفیسر الیف الدین ترابی مرحوم اور راقم الحروف کو اس پروگرام میں شرکت کا موقع ملا۔ تقریباً ربع صدی پر محیط اپنی صحافتی زندگی کے دوران میں مجھے کئی

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



سربراہان مملکت، اور بین الاقوامی شخصیات کے ساتھ ملاقات اورسفارتی وحکومتی تقریبات میں شرکت کا موقع ملا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ کے ساتھ ملاقات اور ریاض کی تقریبات میں شرکت کا تجربہ انوکھا بھی تھا اور یادگار بھی، جوچھ برس گزرنے کے باوجود آج بھی دل پر نقش ہے۔ اخبارات وجرائد کے اعلیٰ مناصب پر فائز افراد کے لیے سربراہان مملکت کے ساتھ ملاقات اور حکومتی تقریبات میں شرکت اس لیے کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہوتی کہ یہ ان کا روز مرہ کا معمول ہوتا ہے اور یہ ملاقاتیں اور تقاریب چند لمحوں کے بعد شعور سے غائب ہوجاتی ہیں، لیکن شاہ عبداللہ کے ساتھ ملاقات اور سعودی عرب کے حکومتی اہلکاروں کا حسن سلوک اور محبت شاید زندگی بھر بھلائی نہ جاسکے۔ کہنے کو تو یہ تقریب ایک ثقافتی میلہ تھا اور ہمارے ہاں میلے کا لفظ سنتے ہی ڈھول ڈھمکے اور رقص وسرود کا تصور ابھرنے لگتا ہے، بھلاوہ میلہ ہی کیا جہاں ڈھول کی تھاپ پر رقص نہ ہو مگر وہاں ایسا کچھ بھی نہ تھا، نہ ڈھول، نہ رقص، نہ موسیقی اور نہ کوئی دیگر خرافات۔ تمام پروگراموں میں اسلامی ثقافت، اسلامی تعلیمات، اسلامی احکام اور اسلامی اقدار کا بھرپور اہتمام کیا گیا تھا۔ سعودی عرب میں کوئی بھی تقریب ایسی نہیں ہوتی جس میں نماز میں چند منٹوں کی بھی تاخیر ہو چہ جائیکہ ہمارے حکمرانوں کی طرح کسی کو نماز کا خیال ہی نہ آئے۔ ہمارے ہاں سرکاری تقریبات میں نماز کے لیے وقفہ کو بھی بنیاد پرستی تصور کیا جاتا ہے، اس کے باوجود ہم اسلامی جمہوریہ ہیں، اسلام کا قلعہ ہیں۔ سعودی عرب میں ایسا تصور بھی نہیں کہ نماز کا وقت ہو اور کوئی سرکاری یا غیر سرکاری تقریب جاری رہے۔ قصرشاہی میں جاری کوئی میٹنگ یا تقریب میں بھی نماز کے وقت فوراً وقفہ کر دیا جاتا ہے اور شاہ وگدا اللہ کے حضور سربسجود ہوجاتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

شاہی محل کے دیوان خاص میں مہمانان گرامی جمع ہوچکے تو نماز عصر کی اذان گونجنے لگی، اذان ختم ہوئی تو قبلہ رخ ہال کے اندر ہی باجماعت نماز کے لیے صفیں بندھ گئیں اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنے رب کے حضور سربسجود ہوگئے۔ خادم الحرمین الشریفین کا یہ دیوان خاص کوئی ڈیڑھ سوفٹ لمبا اور سوفٹ کے لگ بھگ چوڑا ہے۔ مہمانوں کے لیے ہال میں خوبصورت کرسیاں اور صوفے رکھے ہیں۔ ہال کی چھت اور دیواریں خوبصورت نقش ونگار سے سجی ہیں، لیکن پورے ہال میں کوئی تصویر نہیں۔ نہ مملکت کے بانی کی اور نہ ہی کسی سابق یا موجودہ حکمران کی۔ شاہ کے لیے مخصوص نشست کے عین اوپر آیت الکرسی آویزاں ہے جبکہ ہال کے سامنے والی دیوار پر دونوں جانب کونوں میں قرآن پاک کی یہ آیت لکھی ہے: ﴿إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ جو شاید یہ پیغام ہے کہ اس شاہی دربار میں خوشامدیوں اور جھوٹی خبریں لاکر کان بھرنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں اور نہ ہی یہاں ان کی پذیرائی کی جاتی ہے۔ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے تمام مہمانوں کے ساتھ باقاعدہ گفتگو بھی کی اور ان کی معروضات بھی سنیں اور پھر دیوان خاص سے ملحق بہت بڑے ڈائیننگ ہال میں تمام مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور عرب روایات کے مطابق آخری مہمان کی رخصتی تک وہاں ہال میں موجود رہے۔ اس شاہی ڈائیننگ ہال میں کم وبیش ایک ہزار مہمانوں کے لیے اسلامی آداب کے مطابق بیٹھ کر کھانا کھانے کا اہتمام ہے، خوبصورت کرسیوں اور دلکش میزوں پر چنے گئے برتنوں کو دیکھ کر طلب میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔ کھانا شروع ہوا تو شروع میں تین چار ڈشیں میزوں پر چنی گئی تھیں جنھیں دیکھ کر الیف الدین ترابی (مرحوم) خوش ہوکر کہنے لگے کہ یہ اچھی بات ہے کہ شاہی محل کا کھانا سادہ ہے، کچھ زیادہ تکلف نہیں کیا گیا مگر بعد ازاں ہر ایک آدھ منٹ بعد شاہی خدام جب کوئی نئی ڈش لے کر آجاتے تو انھیں یہ کہہ کر اپنے پہلے موقف سے رجوع کرنا پڑا کہ ”یہ اب اتنا سادہ بھی نہیں رہا“ شاہی محل میں داخل ہونے سے قبل ہمارا خیال تھا کہ زیادہ نہیں تو مہمانوں کی ہلکی پھلکی تلاشی ضرور لی جائے گی مگر شاہی محل میں داخلہ سے لے کر شاہ عبداللہ کے ساتھ ملاقات تک کسی بھی مرحلہ میں شاہی مہمانوں کو تلاشی کی ذلت سے دوچار نہیں کیا گیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جن حکمرانوں کا توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو انھیں کسی کا نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے مہمانوں کو رسوا کرکے لذت محسوس کرتے ہیں۔ یہ مختصر کالم اس ملاقات کی تفصیلات کا حامل نہیں ہوسکتا۔

بقیہ: صفحہ نمبر 56 پر

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نصیحتیں.....

اور ہماری منڈیاں

حافظ عبدالسمیع

دنیا میں جب کبھی کسی قوم کو عروج ملا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ ان کی اپنی کوششوں اور نیک اعمال کا بھی دخل رہا ہے۔ آج ہم سب پریشان و مضطرب ہیں، حکمرانوں سے لے کر عوام تک سب ایک عجیب سی کشمکش کا شکار ہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے مسائل میں الجھا دکھائی دیتا ہے، مثلاً: حکمران اپنی کرسی بچانے کی فکر میں اور عوام مہنگائی اور بے روزگاری کے عذاب میں، مالکان کاروبار کے مندہ پڑنے اور مزدور بیچارے نوکری بچانے کی فکر میں ہیں بہرحال مجموعی طور پر ہماری معیشت مستحکم نہیں ہے۔

محترم قارئین! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے منہ موڑنے کا نتیجہ ہے کہ ہمیں مختلف بحرانوں کا سامنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ذیل میں منڈیوں کی مختلف اقسام کا تعارف اور پانچ بنیادی اصول ذکر کیے جا رہے ہیں جن پر عمل کرنے کی بدولت ہماری معیشت مجموعی طور پر مستحکم ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

منڈی (Market)

منڈی سے مراد ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں لوگ اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ جہاں خریدار اور فروخت کار کے درمیان براہِ راست تعلق قائم ہوتا ہے۔

منڈی کے لوازمات

① شے کا وجود: منڈی کے لیے ضروری ہے کہ جن اشیاء کا لین دین کیا جائے وہ اپنی اصل کے طور پر موجود ہوں۔

② بائع و مشتری کے درمیان تعلق: منڈی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خریدار اور فروخت کار کے درمیان تعلق قائم ہو، یہ تعلق ٹیلیفون، موبائل اور ای میل وغیرہ کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے۔

③ بائع اور مشتری کی موجودگی: اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے فروخت کار اور خریدار کی موجودگی ضروری ہے (یہاں موجودگی سے مراد ایک جگہ موجود ہونا نہیں بلکہ یہ دو مختلف مقام پر بھی موجود ہو سکتے ہیں، مثلاً: خریدار سعودی

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



عرب اور فروخت کار پاکستان میں۔)

④ جگہ کا وجود: منڈی کے لیے جگہ یا علاقہ کا وجود ضروری ہے چاہے یہ گاؤں ہو یا قصبہ، شہر ہو یا دنیا کا کوئی بھی خطہ۔

منڈی کی اقسام

منڈی کو مختلف اقسام میں مندرجہ ذیل بنیادوں پر تقسیم کیا گیا ہے: ① بلحاظ وقت ② بلحاظ قسم ③ بلحاظ اشیاء ④ بلحاظ سودابازی ⑤ بلحاظ مقابلہ۔

وقت کے لحاظ سے منڈی کی اقسام

وقت کے لحاظ سے منڈی کی تین اقسام ہیں:

① یومیہ منڈی: اگر کسی چیز کی قیمت کا تعین ایک دن کی رسد (Supply) اور طلب (Demand) کے مطابق ہو تو اس کو یومیہ منڈی کہا جاتا ہے۔ عموماً یومیہ منڈی میں اشیاء کی جتنی مقدار لائی جاتی ہے وہ تمام کی تمام اسی دن فروخت کرنا پڑتی ہے۔ ورنہ نقصان اٹھانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

② قلیل عرصہ منڈی: قلیل عرصہ سے مراد چند ہفتوں یا مہینوں کا عرصہ ہے جس میں کسی شے کی رسد کو مختلف فرموں کی موجودہ پیداواری صلاحیتوں کے مطابق کم و بیش کیا جاسکے۔ قلیل عرصہ کی منڈی میں اشیاء کی قیمت قلیل مدت میں طلب اور رسد کے توازن سے طے پاتی ہے۔

③ طویل عرصہ منڈی: طویل عرصہ سے مراد وہ عرصہ ہے جس میں کسی شے کی رسد کو کسی حد تک کم و بیش کیا جاسکتا ہو۔ اس عرصے میں نئے کارخانے قائم کیے جاسکتے ہیں، نئی مشینیں نصب کی جاسکتی ہیں۔ اس قسم کی منڈی میں طلب و رسد کا توازن طویل مدت تک برقرار رہتا ہے اور جو قیمت طے ہوتی ہے وہ طویل عرصہ تک قائم رہ سکتی ہے۔

مقام کے لحاظ سے منڈی کی اقسام

مقام کے لحاظ سے منڈی کی تین اقسام ہیں:

① مقامی منڈی: جب کسی شے کی خرید و فروخت صرف اپنے مقام پیدائش یا اس سے ملحقہ علاقے تک محدود ہو اس منڈی کو مقامی منڈی کہا جاتا ہے۔

② قومی منڈی: اگر کسی شے کی خرید و فروخت صرف ایک ہی ملک میں ہو اور ملک سے باہر نہ ہو تو ایسی منڈی قومی یا ملکی منڈی کہلاتی ہے۔

③ بین الاقوامی منڈی: جب کسی شے کی خرید و فروخت تمام دنیا میں ہوتی ہو تو اس شے کی منڈی کو بین الاقوامی منڈی کہا جاتا ہے۔

اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے اقسام

اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے منڈی کی چار قسمیں ہیں:

① عام منڈی: اس سے مراد ایسی منڈی ہے جس میں مختلف قسم کی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

② مخصوص منڈی: اس سے مراد ایسی منڈی ہے جس میں ایک خاص نوعیت کی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے، مثلاً: غلہ منڈی میں صرف اجناس کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

③ نمونہ کی منڈی: اس سے مراد ایسی منڈی ہے جس میں کسی چیز کا تمام ذخیرہ اور اس کی تعداد دیکھنے کی بجائے صرف نمونہ کو دیکھ کر ہی سودا طے کیا جاتا ہے۔ ایسی منڈی میں عام طور پر زرعی اور خام اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

④ درجہ بندی کی منڈی: یہ نمونہ کی منڈی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس قسم کی منڈی میں اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے اشیاء کے نمونے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اشیاء کے درجے بتا کر ہی سودے کر لیے جاتے ہیں، مثلاً: سونا، چاندی وغیرہ۔

سودابازی کے لحاظ سے منڈی کی اقسام

سودابازی کے لحاظ سے منڈی کی دو قسمیں ہیں:

① تھوک منڈی: ایسی منڈی میں اشیاء کی بڑی مقدار میں خرید و فروخت کی جاتی ہے، مثلاً: شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

② پرچون منڈی: ایسی منڈی میں اشیاء کی محدود اور تھوڑی مقدار میں خرید و فروخت کی جاتی ہے، مثلاً: انارکلی لاہور۔

مقابلہ کے لحاظ سے منڈی کی اقسام

مقابلہ کے لحاظ سے منڈی کی دو قسمیں ہیں:

① مکمل مقابلہ کی منڈی: اس سے مراد ایسی منڈی ہے جس میں خریدار اور فروخت کار زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں۔ یہ شے کے متعلق مکمل واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان شے کی خرید و فروخت کے لیے مکمل مقابلہ ہوتا ہے۔ اس لیے ایک شے کی ایک وقت میں ایک ہی قیمت مقرر ہوتی ہے۔

② غیر مقابلہ کی منڈی: یہ وہ منڈی ہے جس میں خریدار اور فروخت کار کم تعداد میں ہوتے ہیں۔ یہ اشیاء کے متعلق مکمل واقفیت

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



نہیں رکھتے۔ اس لیے ایک شے کی قیمت ایک ہی وقت میں مختلف ہوتی ہے۔

اجارہ دارانہ منڈی

اگر کسی شے کو پیدا کرنے اور فروخت کرنے والی ایک ہی فرم ہو اور اس شے کا کوئی قریبی نعم البدل موجود نہ ہو تو ایسی شے کی منڈی کو اجارہ دارانہ منڈی کہا جاتا ہے۔ اجارہ داری کی حسبِ ذیل چار اقسام ہیں:

① **قدرتی اجارہ داری:** جب کوئی ملک قدرتی طور پر کسی چیز کو پیدا کرنے کے لیے موزوں ہو اور وہ چیز کسی دوسری جگہ پیدا نہ ہوسکتی ہو تو اس شے کو پیدا کرنے کی اجارہ داری اس ملک کو ہوتی ہے، مثلاً: جنوبی افریقہ کو ہیروں میں، ملایا کو ربڑ میں اور بنگلہ دیش کو پٹ سن میں قدرتی اجارہ داری حاصل ہے۔

② **قانونی اجارہ داری:** اگر ملکی قانون کسی شخص یا ادارہ کو ایجادات کی ترقی کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کی خاطر صرف اسے اس چیز کے بنانے کے اختیارات دے دے تو اسے قانونی اجارہ داری حاصل ہوتی ہے۔

③ بعض اوقات سماجی فلاح و بہبود کی خاطر کسی چیز کو پیدا کرنے اور فروخت کرنے کے اختیارات ایک ہی ادارہ کو سونپ دیے جائیں تو اس کو معاشرتی اجارہ داری کہتے ہیں، مثلاً: پاکستان میں بجلی کی پیداوار اور تقسیم کے اختیارات واپڈا کو حاصل ہیں۔

④ **خودساختہ اجارہ داری:** بعض اوقات مختلف تاجر رضاکارانہ اتحاد کے ذریعے اجارہ داری کی ایک شکل قائم کرلیتے ہیں جسے خودساختہ اجارہ داری کہتے ہیں، مثلاً: جب تاجر سمجھتے ہیں کہ باہم ٹکراؤ سے ہمیں نقصان ہوگا تو وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کے بجائے کسی قیمت پر متفق ہوکر اتحاد کرلیتے ہیں۔

خودساختہ اجارہ داری کی اقسام

خودساختہ اجارہ داری کی تین قسمیں ہیں:

① **پول (Pool):** جب تاجر اور صنعت کار کسی شے کی ایک ہی قیمت وصول کرنے کا معاہدہ کرلیں تو اسے پول (Pool) کہا جاتا ہے۔

② **کارٹل (KarTel):** اگر صنعت کار یا تاجر منڈی یا بازار کو آپس میں تقسیم کرلیں اور ہر کوئی اپنی خرید وفروخت منڈی کے اپنے مخصوص حصے تک محدود رکھے تو اسے کارٹل کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے اداروں کا رواج زیادہ تر جرمنی میں ہے۔

③ **ٹرسٹ (Trust):** اس صورت میں مختلف ادارے اپنی انفرادی حیثیت کو بالکل ختم کرکے اپنے آپ کو ایک بڑے ادارے میں مدغم کردیتے ہیں اور وہ بڑا ادارہ ہی سب کو چلاتا ہے، جیسے پاکستان ٹریڈ فیڈریشن۔

اب ہم ان اصولوں کو پیش کرتے ہیں جنھیں اصول تجارت کہا جاتا ہے۔ اور یہ اصول منڈی کی خواہ کوئی بھی قسم ہو ان کے لیے منارۂ نور اور مشعل راہ ہیں جنھیں اپنانے سے دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی سنور جاتی ہے۔

① دھوکا نہ دیا جائے

زندگی کے ہر شعبے میں دھوکا بازی سے روکا گیا ہے۔ بالخصوص خرید وفروخت کرتے ہوئے دھوکا دہی کی شدید ممانعت ہے۔ یادرہے کہ دھوکا کی بیع خواہ کیسی ہو، اس کی جو بھی شکل ہو، منع ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا گزر (منڈی میں) گندم کے ڈھیر کے پاس سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ڈھیر میں داخل کردیا، آپ نے انگلیوں پر نمی محسوس کی۔ آپ نے اس کے مالک سے پوچھا: طعام والے! یہ نمی کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ نمی بارش کی وجہ سے اسے پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''پھر تم نے اس نمی کو طعام کے اوپر کیوں نہ کردیا کہ لوگ اسے دیکھ سکیں۔ (یاد رکھو!) جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔'' (جامع الترمذی: 1315) اس سے ثابت ہوا کہ چیز کے عیب کو چھپانا بھی دھوکا ہے۔

② ماپ تول میں کمی نہ کرنا

خرید وفروخت کرتے وقت فریقین پر لازم ہے کہ وہ ماپ تول میں کمی نہ کریں۔

③ خریدنے کی نیت کے بغیر محض ریٹ بڑھانے کے لیے بولی لگانا

رسول اللہ ﷺ نے بیع نجش سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: 2142) نجش کا مفہوم یہ ہے کہ خریدنے کی نیت کے بغیر محض ریٹ بڑھانے کے لیے بولی لگائی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کس قدر ہماری منڈیوں کی منظرکشی کررہا ہے۔ آپ کوئی چیز خریدنے کسی منڈی میں چلے جائیں۔ آپ کو وہاں ایسے کارندے ضروری نظر آئیں گے جن کا صبح سے شام تک صرف یہی کام ہے کہ وہ گاہک کو دھوکا دینے کے لیے اس چیز کی قیمت

بقیہ صفحہ نمبر: 24

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



حافظ صلاح الدین یوسف

تعزیت میں

آخری قسط

میت کے لیے دعائے مغفرت کا مسئلہ






مضمون نگار کے دلائل کا جائزہ

اب ہم مضمون نگار کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا ان سے تعزیت کا مروجہ طریقہ اور تین دن تک اہل میت کے گھر جاکر ہاتھ اٹھا کر مسلسل اجتماعی دعا کا ثبوت مہیا ہوگیا ہے؟ جس کا مضمون میں بڑی تحدّی سے دعویٰ کیا گیا ہے اور اہلحدیث کے موقف کو بلا دلیل قرار دیا گیا ہے۔ علمائے اہلحدیث کا استخفاف کیا گیا ہے جس کا ان کو قطعاً حق حاصل نہیں تھا۔ اگر فاضل مضمون نگار سمجھتے تھے کہ زیر بحث مسئلے میں اہلحدیث کا موقف صحیح نہیں ہے تو اسے سادہ انداز میں بھی پیش کیا جاسکتا تھا اور اپنے دلائل بحث و تحقیق کے لیے علماء کے سامنے رکھے جاسکتے تھے لیکن موصوف نے جو اندازِ نگارش اختیار کیا ہے، اسے کسی لحاظ سے بھی مستحسن اور علماء کے شایان شان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہمارے لہجے میں بھی اگر کہیں تلخی محسوس ہو تو اس کی وجہ موصوف کا نامناسب انداز بیان ہی ہے۔

موصوف نے ایک اصولی بات یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی مسئلے کے ثبوت کے لیے ایک حدیث بھی کافی ہوتی ہے۔ موصوف کی یہ بات بالکل درست ہے۔ اگر ان کی پیش کردہ احادیث میں سے ایک حدیث سے بھی مسئلہ زیر بحث ثابت ہوجائے گا تو یقیناً وہ حق بہ جانب قرار

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



پائیں گے۔ لیلن موصوف نے بزعم خویش تین احادیث پیش کی ہیں لیکن آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ اپنا موقف ثابت نہیں کر سکے کیونکہ کسی بھی حدیث کا تعلق زیر بحث رسم سے نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ پہلی حدیث صحیح مسلم کے حوالے سے پیش کی گئی ہے:

”جب ایک صحابی رسول سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا اور اپنے جوش ایمانی سے انھوں نے خود اس کا اعتراف بھی کرلیا اور اپنے آپ کو رجم کے لیے پیش بھی کر دیا، وہ رجم کر دیے گئے تو اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو ذہن ہوگئے، بعض نے اس جرأت پر اسے دادِ تحسین دی جبکہ بعض نے اس فعل کو اچھا نہ جانا (یہاں موصوف نے عربی الفاظ کی صحیح ترجمانی نہیں کی، حدیث کے الفاظ ہیں: «هَلَكَ، لَقَدْ اَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ» ”وہ ہلاک ہوگیا، اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا۔“ (مطلب ان کا یہ تھا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوا) پھر وہ، یعنی دونوں قسم کے لوگ اسی کشمکش میں دو یا تین دن رہے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ آئے، اس حال میں کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے السلام علیکم کہا اور بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ”ماعز بن مالک کے لیے بخشش و معافی کی دعا کرو۔“ حاضرین نے دعا کرتے ہوئے کہا: یا باری تعالیٰ! ماعز بن مالک کو بخشش و معافی سے نواز دے۔“ (صحیح مسلم: 1695)

یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن آپ غور فرمائیں، اس میں کہیں بھی یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ اہل میت کے گھر گئے، تین دن کے اندر گئے، جبکہ اہل میت تعزیت کے لیے آنے والوں کے لیے دریاں بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے، وہاں آپ ﷺ سمیت سب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی؟

ان میں سے ایک بات بھی اس حدیث میں نہیں ہے کہ زیر بحث رسم میں تو یہ تینوں باتیں ہی ہوتی ہیں۔ اجتماع اہل میت کے ہاں ہوتا ہے، تدفین اور کھانے پینے سے فراغت کے بعد اہل خانہ بیٹھے رہتے ہیں، پھر آنے والے کے ساتھ سب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، بلکہ مانگتے رہتے ہیں۔

آپ ﷺ کہاں گئے؟ اہل میت کے ہاں؟ نہیں بلکہ ایسے لوگوں کی مجلس میں جو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف الرائے تھے، حتیٰ کہ ایک گروہ اس سچی اور خالص توبہ کرنے والے صحابی کے بارے میں نہایت نامناسب الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس گروہ کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا: اس کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ اور آپ ﷺ کے حکم پر سب نے دعا کی، یعنی اس سارے معاملے کا کوئی تعلق زیر بحث رسم سے قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق حسب ضرورت دعا کرنے سے ہے جسے کوئی بھی ناجائز نہیں کہتا۔

یہاں دعا کرنے اور کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ واقعہ سے از خود واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ماعز نے سچی توبہ کی، اس کے باوجود ایک گروہ ان کے خلاف ان کے حسن خاتمہ کے بارے میں بدگمانی کا شکار تھا اور مختلف چہ میگوئیاں کر رہا تھا، آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس کے لیے دعائے مغفرت کر کے اس گروہ کی غلطی کو واضح کیا کہ وہ تو اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق ہوگیا ہے اور تم اس کی بابت ایسی باتیں کر رہے ہو، اسی لیے آپ ﷺ نے دعا سے فارغ ہو کر فرمایا: «لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ» ”ماعز نے ایسی خالص توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک بڑے گروہ پر تقسیم کر دیا جائے تو ان کو بھی کافی ہو جائے گی۔“

یہ الفاظ اسی حدیث میں موجود ہیں جس کا موصوف نے حوالہ دیا ہے، ان الفاظ سے اس دعا کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے جو آپ ﷺ نے اہل میت کے ہاں نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے کی اور کرائی۔

لیکن موصوف نے اس حدیث سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں جس سے ان کی حدیث فہمی کی استعداد و صلاحیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں: ”خود سوچیے کہ آپ ﷺ کا ان کے پاس جانا، سلام کہنا، پھر خود حاضرین میں بیٹھ جانا اور کہنا میت کے لیے سب دعا کرو، یہ سب چیزیں کس بات پر دلالت کر رہی ہیں؟ کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا کہ اہل میت کے ہاں جا کر حاضرین کو میت کے لیے دعا کرنے کا کہہ سکتے ہیں اور جب ان کو دعا کرنے کا کہیں گے تو کیا آپ خود اس دعا میں شامل نہیں ہوں گے؟“

سبحان اللہ! کیا خوب استدلال ہے؟ یعنی موصوف کے ذہن میں جو مفروضات ہیں وہ حدیث کے سر مڑھ رہے ہیں۔ محترم! آپ پہلے حدیث کے کسی لفظ سے یہ تو ثابت فرمائیں کہ نبی ﷺ جہاں تشریف لے گئے تھے، وہ اہل میت کا گھر تھا۔ دوسرا، حاضرین کے لفظ سے لوگوں کو مغالطے میں نہ ڈالیں، بلکہ حدیث سے یہ واضح کریں کہ یہ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



حاضرین وہ تھے جو اہل میت کے ہاں تعزیت کے لیے جمع تھے۔ ورنہ حدیث سے تو یہ صاف واضح ہے کہ لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے موقع غنیمت جانا، اگرچہ واقعہ پر دو تین دن گزر چکے تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے لوگوں کی چہ میگوئیوں کو ختم کرنے کے لیے دعا کر کے حضرت ماعز کے حسن خاتمہ کی وضاحت فرمادی۔ بات تو صرف اتنی ہی ہے جو حدیث سے واضح ہورہی ہے۔ اس سے زیر بحث مروجہ رسم کا جواز کشید کرنا یا اس کو اس پر چسپاں کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے جس پر اہل بدعت تو شاید داد دے دیں لیکن حدیث کا صحیح فہم رکھنے والا اس استدلال سے اتفاق نہیں کرسکتا۔

موصوف کو بھی آگے چل کر یہ کھٹک پیدا ہوئی ہے کہ دعا کا یہ واقعہ تو اہل میت کے گھر کا نہیں ہے۔ لیکن سخن سازی کے ذریعے اپنے استدلال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے عجیب و غریب باتیں کی ہیں جو ''کیا بات بنے جہاں بات بنائے نہ بنے'' کی مصداق ہیں، اس لیے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہوئے دوسری حدیث کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''اسی دعا کے بارے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں جس میں اس دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر ہے۔'' آغاز ہی مغالطہ انگیزی سے کیا گیا ہے۔ یعنی ''اسی دعا'' اور ''اس دعا'' کے الفاظ سے یہ مغالطہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا تعلق بھی اسی مروجہ رسم سے ہے جو زیر بحث ہے، حالانکہ اس کا بھی کوئی تعلق مسئلہ زیر بحث سے نہیں ہے جیسا کہ ابھی آپ دیکھیں گے۔ حدیث ملاحظہ فرمائیں: ''سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے اور میرے چچا ابوعامر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ میں بھیجا۔ میرے چچا اس جنگ میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ شہید ہوتے وقت انھوں نے مجھے امیر لشکر بنادیا اور کہہ گئے: بھتیجے! اللہ کے نبی کو میرا اسلام پہنچانا اور ان سے کہنا: میرے لیے بخشش کی دعا کردیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنے چچا جان ابوعامر کا سلام پہنچایا اور ان کے لیے بخشش کی دعا کی درخواست پیش کی۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، اس سے وضو کیا، پھر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! اپنے بندے ابوعامر کو معاف کردے۔'' آپ ﷺ نے ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔ پھر آپ ﷺ نے (مزید دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! روز قیامت اسے اپنی مخلوق سے اونچا مقام عطا فرمانا۔'' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (موقع کو غنیمت جانتے ہوئے) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی بخشش کی دعا فرمادیجیے! نبی کریم ﷺ نے (میرے لیے بھی دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف فرمادے اور روز قیامت اسے باعزت داخلے کی جگہ میں داخل فرمانا۔''

(صحیح البخاری: 4323)

اس حدیث پر بھی آپ غور فرمائیں کہ اس کا بھی ادنیٰ سا تعلق زیر بحث رسم یا مسئلے سے نہیں ہے۔ اس میں اگر یہ ہوتا کہ آپ ﷺ ابوعامر کی شہادت کی خبر سن کر تعزیت کے لیے ان کے گھر گئے اور وہاں جاکر مذکورہ دعا کی۔ تب تو بات واضح تھی اور اصل زیر بحث مسئلہ بھی یہی ہے۔ لیکن اس میں اس کی طرف تو کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔

اس میں تو وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بھی عرض کی ہے کہ دعا ہر وقت اور ہر جگہ ہاتھ اٹھا کر یا ہاتھ اٹھائے بغیر کی جاسکتی ہے۔ یہاں بھی آپ ﷺ کے پاس آکر انھوں نے شہادت کی خبر دی اور ان کی درخواست دعا بھی پیش کی۔ گویا یہاں بھی دعا کی ایک خاص ضرورت پیش آگئی، آپ ﷺ نے دعا فرمادی، حتیٰ کہ بھتیجے نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے اپنے لیے بھی دعا کی درخواست کردی، حالانکہ وہ تو زندہ ہی تھے نہ کہ تعزیت کا موقع تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرمادی۔ اس کا اہل میت کے ہاں جاکر تعزیت کرنے کی رسم سے کیا تعلق؟ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی، جو حدیث و فقہ الحدیث میں ایک نہایت امتیازی مقام رکھتے ہیں، یہ حدیث کتاب المغازی کے باب جنگ اوطاس میں درج کی ہے۔ پھر اپنے خداداد تفقہ اور قوت استنباط کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے جزوی حصے دو اور مقامات پر ذکر کیے ہیں اور ان سے دو مسئلے ثابت فرمائے ہیں:

① کتاب الدعوات (باب: 19، ترجمۃ الباب) میں ایک مسئلہ اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ دعا کے وقت اپنی ذات کو شریک کیے بغیر صرف اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرنی جائز ہے۔ جیسے اس واقعے میں آپ ﷺ نے صرف ابوعامر اور عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور خود کو اس دعا میں شریک

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



نہیں کیا۔

② دوسرا مسئلہ اس سے یہ ثابت کیا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ حدیث کے الفاظ ”پھر آپ ﷺ نے (دعا کے لیے) ہاتھ اٹھائے“ سے استدلال کرتے ہوئے باب باندھا: بَابُ رَفْعِ الْاَيْدِي فِي الدُّعَاءِ (الدعوات، باب: 23، ترجمۃ الباب)

لیکن فاضل مضمون نگار نے اس سے جو مسئلہ ثابت کرنا چاہا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس حدیث کو خوردبین لگاکر بھی دیکھا جائے تو اس میں موصوف کی بیان کردہ بات نہیں ملے گی جو امام بخاری سمیت کسی بھی محدث اور شارح کو نظر نہیں آئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ہر حدیث سے دسیوں، بیسیوں مسئلوں کا اثبات کرتے ہیں، لیکن انھوں نے بھی اس حدیث سے صرف دو مسئلوں کا استنباط کیا ہے، ایک تو وہی جس کا اثبات امام بخاری نے کیا ہے کہ دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے۔ دوسرا، دعا کے وقت وضو کرنے کا استحباب۔ (دیکھیے حدیث 4323 کی شرح، باب اوطاس)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ذہن رسا وہاں تک نہیں پہنچ سکا جہاں مضمون نگار کا پہنچ گیا ہے۔ لیکن ان کے ذہن کی ہی رسائی توجیہ الحدیث بما لا یتحملہ الحدیث کی آئینہ دار ہے۔ اعاذنا اللہ منہ.

موصوف کی فہم حدیث کی استعداد اسی سے واضح ہوجاتی ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں یا دونوں واقعات کو کسی بھی محدث نے کتاب الجنائز یا باب التعزیۃ میں ذکر نہیں کیا۔ علمائے اہلحدیث نے بھی جنھوں نے جنازے کے مسائل پر نہایت دقیق نظری سے کتابیں لکھی ہیں اور تعزیت کے مسائل بھی لکھے ہیں، کسی میں بھی ان دونوں واقعات کا تعزیت کے باب میں اشارہ تک نہیں ہے۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی کتاب الجنائز (اردو) اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتاب الجنائز (عربی) دیکھ لیں۔ آپ کو یہ نادر استدلال نہیں ملے گا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

تیسری حدیث جس سے موصوف نے استدلال کیا ہے، وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ جب ان کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔

یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ دیکھنے سے واضح ہے کہ اس کا تعلق بھی اس زیر بحث رسم تعزیت سے نہیں ہے جو میت کی تدفین کے بعد گھر میں جمع ہوکر اہل میت سے کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”رسول اللہ ﷺ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جبکہ ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کو بند کیا، پھر فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھیں اس کا تعاقب کرتی ہیں۔ (گویا آنکھوں کے پھٹے ہونے کی توضیح فرمائی)۔ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر ان کے گھر والے چیخے، یعنی ان کو وفات کا یقین ہوگیا جس پر ان کی چیخیں نکل گئیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے نفسوں کے بارے میں سوائے بھلائی کے کوئی بری بات مت کرو (بین وغیرہ مت کرو جس میں اپنے ہی بارے میں بددعائیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں) اس لیے کہ تم جو کہتے ہو، اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔“

پھر آپ نے حضرت ابوسلمہ کے لیے مغفرت کی وہ دعا فرمائی جو مضمون میں نقل کی گئی ہے۔ (صحیح مسلم: 920) اس واقعے پر غور فرمائیں۔ ابھی روح قبض ہی ہوئی ہے، لاش گھر ہی میں ہے، ابھی غسل، کفن، نماز جنازہ اور تدفین سارے کام ہونے باقی ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں گھر کا ماحول سوگوار ہے، کہیں جذبات میں اہل خانہ غیر شرعی بین کرنا نہ شروع کردیں اور اپنے آپ ہی پر بددعا نہ کرنے لگ جائیں۔ اس وقت آپ ﷺ نے ایک تو گھر والوں کو اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی تلقین اور صبروضبط کی تاکید کی۔ دوسرا، مرنے والے کے لیے مغفرت کی دعا (بغیر ہاتھ اٹھائے) فرمائی۔ اس لیے کہ دعا ہر وقت کی جاسکتی ہے۔ یہاں بھی آپ نے ضرورت محسوس کی اور میت کے لیے اور مرنے والے کے پس ماندگان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ یہ تو ہے واقعے کی اصل نوعیت جو حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔

اس میں زیر بحث رسم تعزیت کا کوئی اشارہ بھی ہے جو تدفین سے فراغت کے بعد دریاں بچھا کر فاتحہ خوانی کے نام سے تین دن تک جاری رہتی ہے؟ کیا تدفین کے بعد آپ ﷺ نے ان کے گھر جاکر یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جاکر

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ابوعبداللہ
Sh.Siddiq7@Gmail.com

تعاقب

تعزیت کی؟ حدیث میں اگر ایسا اشارہ ہوتا پھر تو موصوف کا اس حدیث یا اس واقعے سے استدلال کرنا ٹھیک ہو سکتا تھا۔ لیکن فاضل مضمون نگار کی حدیث فہمی دیکھیے! فرماتے ہیں: ''یہ حدیث اس بارے میں بہت واضح ہے اور روایت بھی صحیح مسلم کی ہے، اب تو کوئی اشکال باقی نہیں رہنا چاہیے، شاید اسی لیے بہت سے علمائے کرام اس دعا کے قائل ہیں۔''

ہم موصوف سے پوچھتے ہیں: ''اس بارے میں'' سے ان کی کیا مراد ہے۔ زیر بحث مجلس تعزیت؟ ظاہر بات ہے موصوف کی مراد وہی ہے۔ لیکن وہ اس حدیث میں کہاں ہے؟ اشکال تو اپنی جگہ باقی ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں بھی اور جب بھی دعا کی ضرورت ہو تو وہاں دعا کرنا جائز اور مستحب ہے، جیسا کہ ہمارا موقف ہے اور شرعی دلائل کا اقتضا ہے تو وہ واقعی اس حدیث سے اس کا اثبات ہو رہا ہے اور فی الواقع اس میں کوئی اشکال نہیں۔ علمائے اہلحدیث اسی موقف کے قائل ہیں، آپ اپنا موقف جو ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں، وہ خلاف واقعہ ہے۔ کوئی اہلحدیث عالم کسی بدعی رسم کا قائل نہیں ہو سکتا۔

بہرحال خلاصہ ساری بحث کا یہ ہے کہ اہلحدیث کی بابت یہ کہنا کہ یہ میت کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کرتے، بدترین جھوٹ ہے۔ میت کے لیے مغفرت کی دعا صرف اہلحدیث ہی کرتے ہیں لیکن مسنون طریقے سے۔ دوسرے دعائے مغفرت نہیں کرتے، صرف رسم ادا کرتے ہیں۔ **وما علینا إلا البلاغ۔**

ماہِ فروری کے درست جوابات

① غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کو شرک کہتے ہیں۔
② گستاخِ رسول کی سزا قتل ہے۔
③ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔
④ ویلنٹائن ڈے غیر مسلموں کا تہوار ہے۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ تک فری رسالہ پانے والوں کے نام

شیخ عدنان (اوکاڑہ) محمد جمیل (خانیول) اسامہ رحمان (رحیم یار خان) عساکر الٰہی (شیخوپورہ) سمیرا افشاں، محمد حذیفہ (فیصل آباد) اقراء یعقوب (قصور) حفصہ تبسم (کراچی) محمد آصف، اروی کنول، عثمان نذیر (لاہور)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① اس کی نظر لوگوں کے دلوں پر بھی ہوتی ہے اور ان کے اعمال پر بھی۔
② جب آپ ﷺ نے انھیں پھونکا تو وہ دونوں کنگن ہوا میں اڑ گئے۔
③ ہمیں سلام عام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
④ اعمال صالحہ سے دور لوگوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① وراثت کے مسائل قرآن کی کس سورت میں بیان ہوئے ہیں؟
② نبی ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر قرآن کی آیت پیش کریں؟
③ پاکستان کے کس شہر سے سونے اور تانبے کے ذخائر ملے ہیں؟
④ قراردادِ پاکستان کب پیش کی گئی؟

دارُالسّلام کے تمام شو رومز پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ایڈیٹر

مختصر... مگر مفید باتیں

خارجی لڑائی کیوں کرتے ہیں؟

ایک خارجی حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس آیا اور پوچھا: آپ خارجیوں کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ لوگ دنیادار ہیں اور دنیا کے طلب گار ہیں۔ خارجی کہنے لگا: آپ یہ دعویٰ کیسے کرسکتے ہیں؟ یہ لوگ تو تیروتلوار اور نیزے لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں اور جہاد کی خاطر اپنے اہل وعیال کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرمانے لگے: مجھے حاکم وقت کے بارے میں بتائیے، کیا وہ آپ کو نماز سے روکتا ہے؟ خارجی کہنے لگا: بالکل نہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرمانے لگے: پھر تمھاری یہ لڑائی محض اقتدار کے لیے ہے۔ چونکہ حاکم وقت نے آپ کو دنیا کے اقتدار سے محروم کردیا ہے، اسی لیے آپ اس کے خلاف صف آرا ہوگئے ہیں۔ (البصائر والذخائر لأبي حيان التوحيدي:1/156)

عالم کی موت علم کی موت ہے

عمار بن ابوعمار رحمہ اللہ کہتے ہیں جس روز سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، ہم سائے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے ہوئے، وہ فرمانے لگے: علماء اسی طرح جاتے رہے ہیں: «دُفِنَ الْيَوْمَ عِلْمٌ كَثِيرٌ» ''آج علم کثیر دفن کردیا گیا ہے۔'' (سیر أعلام النبلاء:2/440,439)

ابوجعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن جعفر رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اگر میں اپنی عمر دے کر امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی عمر میں اضافہ کرسکتا تو ضرور کرتا، کیونکہ میری موت ایک آدمی کی موت ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی موت، علم کی موت ہے۔'' (سیر أعلام النبلاء:8/65)

بڑے لوگ بڑی باتیں

ایک شخص نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمھیں ایسی گالی دوں گا جو تمھارے ساتھ قبر تک جائے گی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، بلکہ تمھاری قبر میں جائے گی۔

ایک شخص نے سیدنا سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کہا: تم برے آدمی ہو۔ وہ فرمانے لگے: مجھے تمھارے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا۔

شیکسپیئر کہتا ہے: اپنے دشمن کے لیے اتنا الاؤ نہ دہکاؤ کہ اس میں تمھارے ہاتھ بھی جل جائیں۔

جنرل آئزن ہاور کا کہنا ہے: جن لوگوں کو ہم پسند نہیں کرتے، ان کے بارے میں ہم سوچ سوچ کر اپنا وقت کیوں ضائع کریں۔

(لاتحزن لعائض القرني)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



اہل سنت والجماعت کی بنیاد

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر دینی معاملے میں وہی بات کرے جو رسولِ کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے تابع ہو۔ آپ ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ صرف آپ ﷺ ہی کے فرمان کو دیکھے۔ اس کا قول آپ ﷺ کے فرمان اور اس کا فعل آپ ﷺ کے حکم مبارک کے تابع ہو۔ صحابہ کرام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین عظام اور ائمۂ مسلمین ایسا ہی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی فرد اپنی عقل کو نصوص کے مقابلے میں نہیں لاتا تھا، نہ رسولِ کریم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات کے علاوہ کوئی دین بناتا تھا۔ وہ جب کسی دینی معاملے کی معرفت اور اس کے متعلق بات کرنے کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرمان کو دیکھتے تھے۔ وہ اسی سے سیکھتے اور اسی پر مبنی بات کرتے، اسی میں تدبر و تفکر کرتے اور اسی سے استدلال کرتے تھے: «فَهٰذَا أَصْلُ أَهْلِ السُّنَّةِ» ''یہی اہل سنت والجماعت کی بنیاد ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ: 63/13)

بقا اور بربادی اللہ کے اختیار میں ہے

بیسویں صدی کے آغاز میں انگریزوں نے ایک بحری جہاز تیار کیا۔ اس کا نام Titanic رکھا۔ یونانی دیومالا میں Titan کا لفظ آتا ہے۔ اسے یورینس دیوی کی اولاد کہا گیا ہے جو دیو پیکر اور ناقابل شکست تھی۔ اسی سے لفظ Titanic نکلا ہے جو بے حد طاقتور، دیو پیکر اور ناقابل تسخیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ بحری جہاز انگریزوں کے فن جہاز سازی کا شاہکار تھا۔ اپنے وقت کا سب سے زیادہ مضبوط جہاز تھا اور خوبصورت اتنا جیسے شاہی محل تیرتا جا رہا ہو۔ جس برطانوی کمپنی کا یہ جہاز تھا، اس کے مالک نے اور برطانیہ کے شاہی محل سے بھی کسی نے یہ اعلان کیا تھا کہ یہ جہاز ڈوب ہی نہیں سکتا نہ کوئی بڑے سے بڑا سمندری طوفان اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب اس جہاز کو اس کی تیاری کے بعد پہلی دفعہ سمندر میں اتارا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ مضبوطی، خوبصورتی اور شاہانہ شان و شوکت کے لحاظ سے ٹائی ٹینک واقعی ایک عجوبہ روزگار تھا۔ اسی لیے اس نے ساری دنیا میں شہرت پائی تھی۔ لیکن جونہی یہ اپنے اولین سفر پر روانہ ہوا، شروع شروع تو ٹھیک ٹھاک طریقے سے چلتا رہا لیکن

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا!

یہ جہاز ابھی اپنی منزل سے دور تھا کہ اچانک سمندر میں تیرتے ہوئے آئس برگ سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گیا اور بحر اوقیانوس کی دو میل گہرائی میں ڈوب کر دنیا کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا۔ اس جہاز میں 2227 مسافر تھے جن میں سے 1522 جہاز کے ساتھ ہی غرق ہو گئے۔ یہ 1912ء کا حادثہ ہے جب انگریزوں کی بادشاہی آدھی دنیا پر پھیل گئی تھی اور کہا جاتا تھا کہ انگریزوں کی ایمپائر (بادشاہی) میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ انگریزوں نے فرعونوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تھا۔ ٹائی ٹینک کی غرقابی سے اللہ تعالیٰ نے انھیں یاد کرا دیا کہ بقا اور استحکام مضبوطی میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

ہندوستان کا ہولوکاسٹ

جب عراق اور افغانستان میں امریکی فوجی مارے جاتے ہیں تو ان کی گنتی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جب عراقی اور افغانی مارے جاتے ہیں تو اسے اجتماعی نقصان کہہ کر اس کی اہمیت کو گھٹا دیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ کا یک طرفہ پہلو ہے، لیکن یورپی کلونیل ازم میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، مثلاً: 1857ء کی جنگ میں جو انگریز مارے گئے، ان کے بارے میں نہ صرف کتابیں لکھی گئیں بلکہ ان کی یادگاریں تعمیر کی گئیں مگر جو ہندوستانی (مسلمان) مارے گئے ان کے بارے میں خاموشی چھائی ہوئی ہے کہ جیسے یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔

حال ہی میں جب 1857ء پر تحقیقات ہوئیں تو بھارت کے ایک مؤرخ امریش مسرا نے ان شواہد کی بنیاد پر جو خود انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابوں، خطوط، ڈائریوں، اخبارات اور سرکاری دستاویزات میں ہیں، اندازہ لگایا ہے کہ اس جنگ میں تقریباً 10 ملین (ایک کروڑ) ہندوستانی مارے گئے تھے۔ ان کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا، شوٹ کیا گیا تھا اور توپ کے منہ سے باندھ کر اڑا دیا گیا تھا۔ لہٰذا مسرا اس واقعے کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان کا ''ہولوکاسٹ'' ہے۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



معرکہ یمامہ کی سرزمین میں چند گھنٹے

عبدالمالک مجاہد

اس بات کو اب کئی سال گزر چکے ہیں، غالباً 2010ء کی بات ہو گی میں اپنی فیملی کے ساتھ ریاض سے ''عقرباء'' کے لیے روانہ ہوا۔ یہ جگہ ریاض سے زیادہ دور نہیں۔ درعیہ سے قریباً بیس پچیس منٹ کی ڈرائیونگ ہو گی۔ عقرباء اور جبیلہ دونوں جڑواں شہر ہیں۔ آپ انھیں ایک ہی شہر کے دونوں نام کہہ سکتے ہیں۔ یہ شہر کیا ہیں؟ چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں مگر ان سے ہماری عظیم تاریخ کے کئی ابواب وابستہ ہیں۔ ختمِ نبوت کی حفاظت کرتے ہوئے صحابہ کرام کی داستان عزیمت، ختم نبوت پر ڈاکا مارنے والوں کے خلاف پہلی بڑی اور منظم جنگ جس نے مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس فتنہ کے خلاف بند باندھنے اور منظم ہونے پر آمادہ کیا۔

اس روز حسن اتفاق سے صبح سویرے ہی سے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہم ریاض سے باہر نکلے تو موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ ریاض میں کم کم ہی بارش ہوتی ہے۔ اس روز بادل برسے اور خوب جم کر برسے۔ ہم نے موسم سے بھرپور لطف اٹھایا۔ ریاض شہر سے شمال مغرب کی جانب محض تیس کلومیٹر کے فاصلے پر جب ''جبیلہ'' پہنچے تو بارش پورے زور و شور سے جاری تھی۔ میں نے بڑی مدت پہلے مسیلمہ کذاب کے بارے میں پڑھا تھا کہ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ختم نبوت پر ڈاکا ڈالا اور نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یہ علاقہ یمامہ کا ہے اور مسیلمہ بن حبیب اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ شہر میں داخل ہوئے تو دائیں بائیں آبشاریں چل رہی تھیں۔ پہاڑیوں سے پانی بڑے زور سے نیچے اتر رہا تھا۔ بالکل جیسے ہم پاکستان میں مری یا سوات کے علاقوں میں جائیں تو جابجا پانی کے چشمے اور پھر ان میں سے آبشاریں بہتی نظر آتی ہیں۔ ہمیں اس روز کوئی بھی شخص نہ مل سکا جو ہماری رہنمائی کرتا اور ہمیں حدیقۃ الموت (موت کا باغ) کے بارے میں بتاتا۔ ہاں اس روز یہ فائدہ ضرور ہوا کہ جب بارش قدرے رکی تو ہم نے ایک مقامی ریسٹورنٹ سے مندی خریدی۔ دو بڑے بڑے چاولوں کے تھالوں پر بکرے کا چوتھائی حصہ رکھا ہوا تھا۔ گوشت کے ٹکڑے اور رانیں ریسٹورنٹ والوں نے بڑے ہی پروفیشنل انداز میں سجا رکھے تھے۔ ان میں میوہ جات ڈالے اور فائل پیپرز لگا کر دونوں تھال ہمارے حوالے کر دیے۔ تھالوں کی ضمانت کے طور پر سو ریال رکھ لیا کہ جب آپ یہ ٹرے واپس کریں گے تو ہم آپ کو سو ریال واپس کر دیں گے۔ ہم نے ایک پہاڑی کے دامن میں دستر خوان بچھایا۔ پردے کے لیے گاڑیوں کو ایک سائڈ پر کھڑا کر دیا۔ لیجیے جناب! موسم کی مناسبت سے دوپہر کے کھانے کا مزہ آ گیا۔ بچے اب بھی یاد کرتے ہیں۔

اس کے بعد بھی میری بڑی خواہش اور تمنا تھی کہ میں اس علاقے کو دیکھوں مگر مصروفیات تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتیں۔ چند ہفتے قبل پاکستان آرمی کے بریگیڈئر جناب جاوید اشرف صاحب دارالسلام کے ہیڈ کوارٹر میں تشریف لائے۔ یہ سعودی لینڈ فورسز کمانڈر کے ہیڈ کوارٹر میں پاکستان آرمی کے نمایندے

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ہیں۔ بڑے ہی سنجیدہ، فہمیدہ، علم دوست، علماء کے قدر دان اور دین سے محبت کرنے والی شخصیت ہیں۔ ہم کافی دیر تک ان کے ساتھ بیٹھے رہے، خوب جی بھر کر گفتگو ہوئی۔ آپس میں تحائف کا تبادلہ ہوا۔ ہم نے تحفہ کیا دینا تھا وہ تو کتابیں ہیں، جتنی مرضی اٹھالیں۔ تحفہ تو ان کی طرف سے تھا، آرمی کے لوگو کے ساتھ قیمتی گھڑی اور دیگر بہت سارے چھوٹے چھوٹے تحائف تھے۔ ملاقات کے اختتام پر یہ فیصلہ ہوا کہ ان ملاقاتوں کو جاری وساری رکھا جائے گا۔ گاہے گاہے ایک دوسرے سے ملنے کا اہتمام ہوتا رہے گا۔ کسی بھی علم دوست، پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ شخص کے ساتھ بیٹھ کر آپ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ آپ کا ذہن کھلتا ہے۔ میں ان کی محبت کے سحر میں گرفتار تھا کہ انھی کی زبانی پتہ چلا کہ وہ بھی کسی روز جبیلہ جانا چاہتے ہیں۔ اس جگہ کو دیکھنا چاہتے ہیں جہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک معرکہ آراء جنگ ہوئی تھی جس میں 1200 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے تھے۔ ختم نبوت پر ڈاکا ڈالنے والے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا گیا تھا۔

میری خواہش تھی کہ ہمیں کوئی ایسے ساتھی مل جائیں جن کا تاریخ کے ساتھ گہرا لگاؤ ہو۔ جو اس جگہ کے بارے میں معلومات رکھتے ہوں۔ خوش قسمتی سے یہ خواہش جناب عبدالحمید قادری صاحب کی صورت میں پوری ہو گئی۔ وزارت دفاع والطیران میں عرصہ دراز سے خدمات انجام دینے والے قادری صاحب بہت ہی محقق اور علمی شخصیت ہیں۔ عمر تو مجھے ستر سال بتا رہے تھے مگر لگتے 58 یا 60 سال کے تھے۔ بڑے ہی مرنجاں مرنج طبیعت کے قادری صاحب ہمیں وہ پاکستان والے قادری صاحب نہ لگے۔ ایک اور قادری صاحب بھی ہیں جن کے نام سے پاکستانی قوم بدکتی ہے مگر یہ قادری صاحب بہت پڑھے لکھے اور حدیث سے محبت کرنے والے نکلے۔ عبدالحمید قادری صاحب متعدد کتابوں کے مولف بھی ہیں۔ وہ اس جگہ پر متعدد بار جا چکے ہیں۔

آج کے اس سفر میں پاکستانی نژاد ایک امریکی ڈاکٹر احمد الہاشمی بھی تھے۔ ان کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ختم نبوت کے ساتھ خوب محبت ہے۔ تاریخ کے ساتھ خوب دلچسپی ہے اور یہ بھی سعودی عرب کے مختلف تاریخی مقامات پر جا چکے ہیں۔

بریگیڈئر جاوید اشرف صاحب کا تعلق پاکستان کے مشہور شہر جھنگ سے ہے۔ ان کا خوبصورت بنگلہ ریاض کے پوش ایریا میں واقع ہے۔ انھوں نے مجھے ایک دن پہلے موبائل کے ذریعے اپنے گھر کی لوکیشن بھجوادی تھی۔ آج کے دور میں ٹیکنالوجی کی بدولت جو بے شمار سہولتیں میسر ہیں ان میں لوکیشن کی سہولت بھی ہے۔ سیٹلائٹ کی بدولت آپ بڑی آسانی سے مقررہ جگہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ ہم جبیلہ کے لیے روانہ ہوئے تو دن کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ یہ آدھ گھنٹے کا سفر تھا۔ آج ہفتہ کا دن تھا جب سڑکوں پر رش نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

یمامہ کا یہ علاقہ کسی زمانے میں بڑا زرخیز علاقہ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



تھا۔ یہاں پر بھی پھلوں اور کھجوروں کے بڑے بڑے باغات تھے۔ اس علاقے میں بڑی آبادی تھی۔ شہر آباد تھا۔ پانی وافر تھا، یعنی متعدد کنویں اب بھی موجود ہیں۔ اسی علاقے میں اللہ کے رسول ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے مسیلمہ بن حبیب المعروف مسیلمہ کذاب پیدا ہوا۔ مؤرخین نے اس کی تاریخ پیدائش کا ذکر نہیں کیا، مگر تاریخ الخلفاء للسیوطی کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ آپ ﷺ کے والد سردار عبداللہ بن عبدالمطلب کی ولادت سے بھی پہلے پیدا ہوا۔ عبداللہ تقریباً 22 سال کے تھے جب فوت ہوئے، اس حساب سے وہ نبی کریم ﷺ سے تقریباً 35 برس زیادہ عمر کا تھا۔ شروع دن ہی سے اس کا مذہب عیسائیت تھا۔ اپنے گلے میں چاندی کی صلیب لٹکاتا تھا۔ انجیل میں وارد ایک آیت کو عام طور پر دہراتا رہتا تھا:

«إِذَا أَرَدْتَّ أَنْ تَكُونَ كَامِلًا فَاذْهَبْ وَبِعْ كُلَّ أَمْلَاكِكَ وَأَعْطِ الْفُقَرَاءَ فَيَكُونَ لَكَ كَنْزٌ فِي السَّمَاءِ» مسیلمہ کی عمر 15 سال کی تھی جب اس کی والدہ وفات پا گئی تو مسیلمہ 601ء میں بیت المقدس چلا گیا۔ وہاں اس نے دو سال گزارے۔ اس دوران اس نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی لوگ آخری نبی ﷺ کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ عنقریب ایک آخری نبی تشریف لانے والے ہیں۔ جن کے بارے میں انجیل اور تورات میں بڑی واضح نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ 603ء میں مسیلمہ بیت المقدس سے واپس اپنے وطن آیا تو یمامہ میں رہنے کی بجائے عمان چلا گیا۔ وہاں یہ عمان اور انڈیا کے درمیان چلنے والے بحری جہاز پر بطور ملاح کام کرنے لگا۔ 608ء میں مسیلمہ کذاب ہاجر بنت سعد سے شادی کرتا ہے۔ اس دوران اسے متعدد بار انڈیا جانے کا موقع ملتا ہے۔ انڈیا میں اس نے حقہ پینا بھی سیکھا۔ ہاجر کا تعلق بنو تمیم سے تھا جو عرب کا بڑا مشہور قبیلہ ہے۔ اس کے ہاں تین بیٹے حبیب، شرحبیل اور ثمامہ پیدا ہوئے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی ولادت باسعادت اپریل 571ء میں ہوئی۔ اس حساب سے آپ کو نبوت 610ء میں ملتی ہے۔ 623ء میں جب مسیلمہ اپنے وطن یمامہ میں واپس آتا ہے تو اس نے دیکھا کہ اس کے علاقے کے متعدد لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان میں یمامہ کا رئیس ثمامہ بن اُثال بھی تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر دین حق کو قبول کر لیتا ہے۔ یہی وہ دور تھا جب اس علاقے کے پادریوں نے مسیلمہ سے شکایت کی کہ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کر رہے ہیں۔ تمھیں عیسائیت کے فروغ اور دفاع کے لیے کچھ کرنا چاہیے، چنانچہ مسیلمہ نے کنیسہ کے لیے کام شروع کر دیا۔

632ء میں یمامہ کے کچھ لوگ اسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینہ شریف جاتے ہیں۔ اس زمانے میں یمامہ سے مدینہ شریف کا سفر کم و بیش 18 سے 20 دنوں میں طے ہوتا تھا۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو مسیلمہ کذاب بھی صلیب لٹکائے ہوئے قافلہ کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ان لوگوں کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا۔ بنوحنیفہ کے یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ مگر مسیلمہ اپنی رہائش ہی پر رہا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا' الٹا یہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبوت میں شریک کر لیا تھا اسی طرح محمد ﷺ بھی مجھے اپنی نبوت میں شریک کریں۔

اللہ کے رسول ﷺ کو جب مسیلمہ کے پیغام اور خواہش کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے زمین سے ایک لکڑی اٹھائی اور مسیلمہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اللہ کی قسم! مسیلمہ! اگر تم مجھ سے یہ لکڑی بھی طلب کرو گے تو میں یہ بھی تمھیں نہیں دوں گا۔ چنانچہ بدقسمت مسیلمہ اللہ کے رسول ﷺ کی بیعت کیے بغیر ہی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ یمامہ واپس آ گیا۔

مسیلمہ کذاب کے حالات کو مختلف سیرت نگاروں نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ کے آخری دور میں دو بڑے فتنوں نے سر اٹھایا۔ ان میں ایک تو یمن کے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی کا تھا۔ دوسرا فتنہ یمامہ کے علاقے میں مسیلمہ کذاب کا تھا۔ مسئلہ ختم نبوت پر ایمان ہر مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اگر کوئی آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کذاب، دجال اور لعنتی ہے۔

قارئین کرام! اس عقیدے کو ہمیں بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور اسے اپنی اولادوں کو بھی ذہن نشین کرا دینا چاہیے۔ یمامہ کا فتنہ کوئی معمولی اور چھوٹا فتنہ نہ تھا۔ اسود عنسی کے بعد

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



مسیلمہ نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا: مجھے محمد ﷺ کی نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسی دوران ایک خواب دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس روئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دو کنگن آپ ﷺ کے ہاتھ میں آپڑے ہیں۔ آپ ﷺ کو یہ دونوں کنگن بڑے گراں گزرے۔ آپ کو بڑا رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کی کہ ان دونوں کو پھونک دیجیے، چنانچہ جب آپ نے انھیں پھونکا تو وہ دونوں کنگن ہوا میں اُڑ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی یہ تعبیر فرمائی کہ آپ ﷺ کے بعد دو کذاب جو پرلے درجے کے جھوٹے ہوں گے نکلیں گے۔

قارئین کرام! اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں۔ میں آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث یاد کراؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے علمائے کرام کی زبانی یہ حدیث بارہا سن رکھی ہو گی۔ مگر ایک بار پھر اسے تازہ کر لیجیے۔ ارشاد ہوا: «سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي» ''میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہو گا کہ وہ نبی ہے، لیکن جان لو کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (جامع الترمذی: 2219، وھو حدیث صحیح)

انھی تیس جھوٹوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھا۔ 1835ء میں قادیان انڈیا میں پیدا ہونے والا مرزا غلام احمد برطانوی استعمار کے کندھوں پر پروان چڑھتا ہے۔ یہ انگریز کا خود کاشتہ پودا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کا علاج بھی وہی کیا جاتا جو اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کا ہوا تھا تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔ لیکن عالمی بدمعاشوں نے اس کی ناجائز سرپرستی کی جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی نہ ہو سکی۔ لیکن اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے علمائے حق اور عامۃ الناس نے جو قربانیاں دیں ہیں، وہ بے مثال ہیں۔ ان پر کسی وقت ان شاء اللہ تفصیل سے لکھا جائے گا۔ فی الحال اس مضمون کو ہم مسیلمہ کذاب تک محدود رکھیں گے تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عقیدہ ختم نبوت کو کس قدر اہمیت دی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لیے کتنی قربانیاں دیں۔

اگر ہم یمامہ کے علاقے کو جنگی نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ بہت بڑا علاقہ ہے۔ یہاں زمین اونچی نیچی ناہموار ہے۔ بعض مقامات پر مٹی کے بلند قامت تودے بھی ہیں۔ کہیں تو آپ کو زمین بڑی گہری نظر آئے گی۔ راستوں میں کتنے ہی موڑ نظر آئیں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں یہ زمین بڑی زرخیز تھی، یہاں کی گندم بڑی مشہور تھی۔ مکہ مکرمہ میں گندم اسی علاقے سے جاتی تھی۔ اسی علاقے کے ایک سردار ثمامہ بن اُثال نے جب اسلام قبول کیا اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو قریش نے انھیں طعنہ دیا کہ آپ تو صابی، یعنی بے دین ہو گئے ہیں۔ انھوں نے بڑے فخر سے بتایا: نہیں، میں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے قریش سے کہا: جب تک اللہ کے رسول ﷺ حکم جاری نہ فرمائیں گے، اہل مکہ کو گندم کا ایک دانہ بھی یمامہ سے نہیں ملے گا۔ انھوں نے اپنے کہے پر عمل کیا اور یمامہ جا کر اہل مکہ کے لیے گندم کی سپلائی بند کر دی۔ مکہ میں قحط کے آثار بڑھ گئے۔ ابوسفیان نے اپنی تمام تر دشمنی کے باوجود اہل مکہ کے اصرار پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھ کر سفارش کی درخواست کی۔ رؤف ورحیم نبی نے دشمنان دین سے سیاسی اور مذہبی اختلاف کی شدت کے باوجود ان کا بھوک سے ہلاک ہونا برداشت نہ کیا اور آپ ﷺ نے ثمامہ کو حکم دیا کہ اہل مکہ کی گندم بحال کر دی جائے۔ حکم پاتے ہی انھوں نے تعمیل کی اور مکہ والوں کی گندم بحال کر دی۔ اس واقعہ سے ہمارے قارئین کرام کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس علاقے کی کیا اہمیت تھی۔ یہاں پر اہل یمامہ نے متعدد قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں معرکہ یمامہ کم و بیش 9 ماہ تک جاری رہا۔ اس معرکے میں دونوں طرف بھاری جانی ومالی نقصان ہوا، مگر کوئی بھی نقصان ختم نبوت پر ڈاکا ڈالنے والوں کی بیخ کنی میں حائل نہ ہو سکا۔ صحابہ کرام نے جانوں کی پروا کی نہ مالوں کو خاطر میں لائے۔ بچے، اہل وعیال اور گھر بار سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ کی حرمت وعزت اور ختم نبوت کی حفاظت پر قربان کر دیا۔ یہ انھی قربانیوں کا ثمر تھا کہ آج کے دن تک امت میں جتنے لوگوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا سب کو اہل اسلام نے رد کر دیا اور کسی بھی جھوٹے نبی کی نبوت چل نہ سکی۔

(جاری ہے)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کا قتل کیس مقدمہ فوجی عدالت کو بھجوایا جائے

خالد سیال

عالمِ اسلام کے معروف مذہبی سکالر، عالم دین، محقق اور ہر دلعزیز خطیب علامہ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کو شہید ہوئے تین برس ہو چلے ہیں مگر قاتل اقرارِ جرم کے باوجود ابھی تک پاکستان کے قانون اور نظام عدل کا مذاق اُڑاتے ہوئے اپنے جرم کی سزا پانے کے بجائے سرکاری مہمان بنے بیٹھے ہیں اور شہید کے ورثاء عدالتوں کے چکر لگا لگا کر اور وکیلوں کی بھاری فیسیں ادا کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ اب جبکہ ملک میں دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے فوجی عدالتوں نے کام کرنا شروع کر دیا ہے تو وفاقی دارالحکومت میں ہونے والے دہشت گردی کے اس اندوہناک واقعہ کے مرتکبین کو بھی فوری طور پر سزا ہونی چاہیے جو وقوعہ کے دو ہفتے بعد ہی گرفتار کر لیے گئے تھے اور پولیس کے بقول انھوں نے اقرار جرم بھی کر لیا تھا۔ حافظ عبدالرشید اظہر کا پرنور چہرہ آج بھی میرے سامنے ہے۔ یہ سترہ مارچ 2012ء کی شام تھی۔ میں بچوں کے ہمراہ اسلام

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



آباد کے معروف کاروباری مرکز کراچی کمپنی میں داخل ہی ہوا تھا کہ موبائل فون پر ایک دوست نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کو شہید کر دیا گیا ہے۔ بلا اختیار پاؤں بریک پر جا لگا اور میں ڈاکٹر صاحب کے موبائل پر فون کرنے لگا مگر ان کا موبائل پہلی بار بند پایا۔ سفر و حضر میں ڈاکٹر صاحب کا فون بند نہ ہوتا تھا۔ میں نے فوراً گھر کے PTCL نمبر پر رابطہ کیا تو ان کے بیٹے سعد کے منہ سے روتے ہوئے صرف یہ الفاظ نکل پائے: ''خالد بھائی، کوئی ابو کو شہید کر گیا ہے'' میں سعد بھائی کو صرف اتنا کہہ پایا کہ میں آرہا ہوں اور پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا، کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ میں نے بچوں کو گھر چھوڑا اور ڈاکٹر صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر اپنے ڈرائنگ روم میں ابدی نیند سو رہے تھے۔ بخاری شریف ان کے بستر پر ہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا وہ گہری نیند سوئے ہیں اور ابھی اُٹھ جائیں گے، لیکن وہ سب غموں، سب مصیبتوں اور سب دُکھوں سے آزاد ہو چکے تھے، وہ خود مطمئن اور مسرور دکھائی دے رہے تھے مگر ان کے چاہنے والے دکھوں، غموں اور پریشانیوں میں گھر چکے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں افراد ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ کے باہر جمع ہوگئے۔ اکثر کی آنکھیں اشکبار اور دِل غمگسار تھے۔ میری آنکھیں ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر جمی تھیں اور ذہن ماضی میں کھو گیا۔

یہ 1988ء کی ایک سرد رات تھی۔ وفاقی دارالحکومت کے پوش سیکٹر F-7 کے ایک بڑے مکان کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں، میں اپنے ایک دوست حافظ رضاء اللہ جو آج کل ایک بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہیں، کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کُھلا اور ایک دراز قامت نوجوان اندر داخل ہوئے جن کے نورانی چہرے پر سیاہ داڑھی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔

''یہ ہیں حافظ عبدالرشید اظہر، معروف عالم دین ہیں، مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اور بڑے زندہ دل انسان ہیں اور حافظ صاحب یہ ہیں میرے دوست خالد سیال'' حافظ رضاء اللہ نے ایک ہی سانس میں ہم دونوں کا تعارف کرا کر ہمیں آمنے سامنے کر دیا اور خود قہوہ پیالیوں میں انڈیلنے لگے۔ ''کیا حال ہے خالد صاحب''!

یہ تھا وہ پہلا جملہ جو حافظ صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا اور وہ اتنے مستقل مزاج تھے کہ جب بھی ان سے ملاقات یا ٹیلیفون پر گفتگو ہوتی تو ادھر سے پہلا جملہ یہی سنائی دیتا کہ ''کیا حال ہے خالد صاحب''!

اس پہلی ملاقات میں حافظ عبدالرشید اظہر کی شخصیت کا جو تاثر قائم ہوا، وہ آخر تک نہ صرف قائم رہا بلکہ ان کی شخصیت اور کردار کی خوبیاں ہر ملاقات کے بعد کھلتی چلی گئیں۔ بعد ازاں F-7 کے اس گھر میں حافظ رضاء اللہ کی وساطت سے ڈاکٹر صاحب سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، ان کے ساتھ طویل بحث مباحثے ہوئے، دینی، معاشرتی اور سیاسی موضوعات پر اکثر ان سے تبادلہ خیال ہوتا رہتا، وہ ہر موضوع پر بڑی صائب اور نپی تُلی رائے رکھتے تھے۔ حافظ صاحب بہت خوش خوراک اور ہنس مکھ تھے۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ ہم F-7 سے پیدل نکلتے، بلیو ایریا میں عثمانیہ یا کسی دوسرے ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے اور پھر پیدل ہی واپس چل دیتے۔ راستے میں حافظ صاحب کبھی لطیفے سنا کر ہنساتے اور کبھی لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے آخرت کی یاد دلاتے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے جملہ سے حافظ صاحب کی زبان اکثر تر رہتی تھی۔ نجی ملاقاتوں کے دوران تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا ان کی عادت سی بن گئی تھی۔ حافظ عبدالرشید اظہر بلا شبہ علم کا سمندر تھے۔ آپ پی ایچ ڈی ڈگری لے کر ڈاکٹر بھی بن گئے تھے لیکن وہ کسی ڈگری کے محتاج نہ تھے۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر عالم دین بھی تھے، ادیب بھی، خطیب بھی، صاحب قلم بھی اور دعوت و تبلیغ کا علَم بھی تھامے ہوئے تھے۔ پورے ملک میں ہی نہیں بیرون ملک بھی ان کے چاہنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد آج بھی ان کو یاد کرتی ہے۔ اور یہ سب کچھ انھیں اللہ کے دین کی خدمت کے صلے میں حاصل ہوا۔ تحصیل علم کے لیے حافظ صاحب جب گھر سے نکلے تھے تو خالی ہاتھ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو علم، شہرت، دولت، ہر چیز سے نوازا۔ ایک اَن پڑھ خاندان کا یہ چشم و چراغ اب ہزاروں لوگوں کو علم کی روشنی پہنچا رہا تھا، ان کی زندگیاں سنوار رہا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب بہت موڈی تھے، کم آمیز اور زود رنج تھے کہ جب ان کا موڈ ہوتا کسی سے بات کرتے ورنہ طرح دے جاتے تھے۔ میں ڈاکٹر صاحب کو پچیس برس سے دیکھتا رہا ہوں، ان کے سیکڑوں دروس میں حاضری دی، ان کو حضر میں بھی دیکھا اور

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



سفر میں بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک منکسر المزاج شخص ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی خوددار بھی تھے۔ اور خود دار انسان استغنا پسند بھی ہوتا ہے جسے بعض لوگ ''موڈی'' سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ خود دار ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ صاحب مصلحت پسندی کی ''صفت'' سے ناآشنا تھے، وہ جسے حق سمجھتے تھے، دوٹوک الفاظ میں کہہ دیتے اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ سننے والے کے نازک مزاج پر یہ حق کتنا گراں گزرے گا یا اس کے ماتھے پر کتنی شکنیں پڑیں گی۔

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر آج ہم میں نہیں، وہ شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہو کر ان شاء اللہ ابدی کامیابی حاصل کر چکے ہیں مگر ان کی باتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر یکم فروری 1953ء کو بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صاحب ہندوستان کے ضلع فیروز پور، تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں امین والا سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے۔ وہاں ان کی کچھ زرعی زمین تھی اور کھیتی باڑی ہی ان کا مشغلہ تھا، قیامِ پاکستان کے بعد وہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو پراپرٹی کے انتقال کے لیے ابھی حکومتی کارروائیاں مکمل ہونا باقی تھیں، اس لیے وہ ہجرت کے بعد بہاولپور میں ڈاکٹر صاحب کے ننھیال میں کچھ عرصہ ٹھہرے رہے۔ اسی دوران ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر پیدا ہوئے۔ بعد میں ان کے والد صاحب کو چیچہ وطنی کے قریب ایک گاؤں 1-9/170 میں زرعی زمین الاٹ ہو گئی تو وہ وہاں منتقل ہو گئے۔ اسی گاؤں کے حافظ عبدالغنی جو کہ بصارت سے محروم تھے مگر صاحب بصیرت تھے، سے سنے عبدالرشید نے قرآن پاک حفظ کیا۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر بتایا کرتے تھے کہ حفظ کرتے کرتے ہی میں نے اردو لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا اور مجھے اردو لکھنے اور پڑھنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے: اردو لکھنے اور پڑھنے میں میرا کوئی استاد نہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ بھی بتایا کرتے تھے کہ حافظ عبدالغنی میرے استاد بھی تھے اور شاگرد بھی۔ شاگرد یوں کہ انھوں نے پوری مشکاۃ شریف مجھ سے حفظ کی۔ وہ مجھ سے روزانہ دو تین احادیث سنتے تھے اور پھر ان کو یاد کر لیتے تھے، ان کا حافظہ بہت تیز تھا، انھوں نے پوری مشکاۃ شریف مجھ سے سن سن کر حفظ کر لی تھی۔ قرآن پاک کے ساتھ شغف بھی ان ہی کی وجہ سے ہوا، وہ روزانہ مجھ سے مختلف تفاسیر سنا کرتے تھے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ اور تفسیر موضح القرآن اور مولانا محمود الحسن دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی، از اوّل تا آخر میں نے انھیں پڑھ کر سنائی۔ وہیں سے قرآن پاک کے ساتھ تعلق کی ابتدا ہوئی۔ حفظ قرآن کے بعد آپ کو جامعہ سعیدیہ خانیوال میں داخل کرا دیا گیا۔ چار سال کے بعد وہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد چلے گئے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ جہاں مولانا عبداللہ بڈھیمالوی اور مولانا حافظ بنیامین طور جیسے اساتذہ سے وہ از حد متاثر ہوئے۔ جامعہ سلفیہ سے درس نظامی مکمل کرنے کے بعد حافظ عبدالرشید اظہر جامعہ سعیدیہ خانیوال سمیت مختلف مدارس میں پڑھاتے پڑھاتے آخر کار جامعہ سلفیہ میں پڑھانے لگے، جہاں انھوں نے تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ جامعہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کی بنیاد رکھی اور کئی کتب بھی شائع کیں۔ شعبان 1400ھ (1978ء) میں ان کا داخلہ عالم اسلام کی معروف یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ہو گیا جہاں وہ اگست 1984ء تک علم کی اعلیٰ منازل طے کرتے رہے۔ وہ تعلیم مکمل کر کے واپس پاکستان آئے تو 30 ستمبر 1984ء کو انھیں مکتب الدعوۃ میں داعی کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں، تب مکتب کا دفتر لاہور میں تھا۔ یکم ستمبر 1987ء کو مکتب الدعوۃ کا دفتر لاہور سے اسلام آباد منتقل ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے بھی اسلام آباد کو اپنا مسکن بنا لیا مگر اپنے آبائی علاقے سے انھوں نے اپنا ناتہ ٹوٹنے نہ دیا اور وہاں بھی دعوت و تبلیغ اور اشاعتِ دین کا کام پورے شدومد کے ساتھ جاری رکھا۔

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کے حالاتِ زندگی، ان کی تعلیم و تعلم کے دوران کے دلچسپ احوال و واقعات، دعوت و تبلیغ کے میدان میں ان کے طویل تجربات اور سعودی عرب کے علماء اور زعماء کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات و مراسم کی تفصیلات کا احاطہ کسی ایک مضمون میں کرنا ممکن نہیں، یہ ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے اور ان شاء اللہ یہ قرض جلد چکانے کی کوشش کی جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں جن پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ ان کا شمار عالمِ اسلام کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ وہ بیک وقت جید عالم دین، بہترین خطیب، صاحبِ طرز ادیب، شعلہ نوا مقرر، دلوں میں اتر جانے والے واعظ، ہمدرد و غمگسار دوست اور ہر ایک کے لیے شفیق انسان تھے، یہی وجہ ہے کہ ان

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تعلق کم و بیش پچیس برسوں پر محیط ہے، ان سے چند روز ملاقات نہ ہوتی تو خود فون کر کے بلا لیتے۔ راقم جب بھی ان سے ملاقات کے لیے گیا، ان کے ہاں ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا جن میں ہر مکتب فکر کے افراد شامل ہوتے، وہ سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے، سب کی خاطر مدارت کرتے اور مقدور بھر ہر ایک کے کام آنے کی کوشش کرتے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کے بعد ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کے اندر یہ خوبی دیکھی کہ انھیں اپنے احباب اور کارکنان کے مسائل کا ادراک بھی ہوتا تھا اور احساس بھی۔

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کے روابط اور تعلقات مختلف جماعتوں کے قائدین کے ساتھ بھی تھے اور عام لوگوں کے ساتھ بھی۔ بڑے بڑے عہدیدار اور سرمایہ دار ان کے پیچھے پیچھے پھرتے مگر حافظ صاحب کو چین غریب اور نادار لوگوں کے درمیان محسوس ہوتا۔ وہ غریب و نادار لوگوں کی چھپ چھپ کر مدد بھی کرتے اور ان کے کام آنے کی کوشش بھی کرتے۔ علمائے کرام کے ساتھ انھیں خصوصی لگاؤ اور محبت تھی اور وہ کسی عالم دین کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہ کرتے تھے، تمام مکاتب فکر کے بڑے بڑے علماء ڈاکٹر صاحب کے پاس تشریف لاتے اور بڑے پیچیدہ مسائل پر ان سے گفتگو کرتے۔ ڈاکٹر صاحب چند ہی منٹوں میں انھیں کافی و شافی جواب دے دیتے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بار مجھ سے فرمایا کہ میں نے آج تک کوئی تقریر دوبارہ نہیں کی۔ واقعہ یہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا ہر خطاب، ہر درس اور ہر وعظ پہلے سے مختلف ہوتا۔ ایک ہی موضوع پر ان کے بیسیوں خطبات سن لیں۔ ہر ایک میں ایک نیا انداز، ایک نئی دلیل اور ایک نئی چاشنی ہو گی۔ ڈاکٹر صاحب بلاشبہ خطابت کے بادشاہ تھے، وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹوں فی البدیہ بول سکتے تھے اور دلائل کے انبار لگاتے چلے جاتے تھے۔ وہ قرآن پاک کی آیات اس روانی کے ساتھ پڑھتے جیسے اوراق ان کے سامنے کھلتے جا رہے ہوں اور وہ پڑھتے چلے جا رہے ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کے خطبات اور دروس بلاشبہ بے مثال تھے لیکن میرے خیال میں ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کے ساتھ سوال و جواب کی نشست ان کے خطابات سے بھی بڑھ کر علم و حکمت پر مبنی ہوا کرتی تھی۔ وہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کا اتنا سہل اور عام فہم انداز میں جواب دے دیتے کہ سائل لاجواب ہو جاتا۔ ان کے ساتھ سوال و جواب کی نشستیں علم و حکمت کا خزینہ بھی ہیں اور نئے خطباء، علماء اور مقررین کے لیے مشعل راہ بھی۔

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر نے مکتب الدعوۃ میں کم و بیش ستائیس برس کام کیا اور بڑے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ انھوں نے مکتب الدعوۃ کے کئی مدیروں کے ساتھ کام کیا لیکن مکتب الدعوۃ کے موجودہ مدیر شیخ محمد بن سعد الدوسری کے تقویٰ اور سادگی کے وہ بہت مداح تھے اور اکثر ان کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ شیخ الدوسری بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور دونوں کے درمیان اعتماد اور محبت کا رشتہ بہت گہرا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی نماز جنازہ کے موقع پر شیخ الدوسری کے چہرے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ غم کی کس کیفیت سے دوچار ہیں۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر پاکستان میں سعودی عرب کے غیر سرکاری سفیر تھے، دین اسلام کی اشاعت، امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور بطور خاص حجاج کرام اور معتمرین کے لیے سعودی حکومت کی خدمات کا ڈاکٹر صاحب اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔

ایک دور تھا جب علمائے کرام اور بزرگانِ سلف جماعتی اور حکومتی عہدے قبول کرنے سے بھاگتے تھے۔ وہ ان عہدوں کو ذمہ داری تصور کرتے تھے اور یوم آخرت کی جوابدہی کے احساس کے پیش نظر انھیں قبول نہیں کرتے تھے۔ مگر آج بڑے بڑے صاحبان علم و تقویٰ اور مواحد ہونے کے دعویدار ان بتوں کے سامنے نہ صرف سجدہ ریز ہیں بلکہ انھیں حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ جوڑ توڑ اور سازشیں کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ میرے علم اور معلومات کی حد تک ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر نے جماعتی عہدوں کے حصول کے لیے کبھی کوئی بھاگ دوڑ نہیں کی بلکہ وہ ان سے گریزاں نظر آتے تھے۔ ان کا تو یہ حال تھا کہ اگر کسی مسجد میں کوئی ایک نمازی ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہتا تو وہ وہاں خطابت بھی چھوڑ کر الگ ہو جاتے اور ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ان کو متعدد بار مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان میں مرکزی عہدوں کی پیشکش کی گئی مگر وہ مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے امیر سینیٹر پروفیسر ساجد میر کو ہر بار طرح دے جاتے کیونکہ ان کے خیال میں ان عہدوں کو برقرار رکھنے کے لیے جس جوڑ توڑ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اس

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



"خوبی" سے محروم تھے۔

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر بہت ذہین اور فطین شخص تھے، وہ ہر چیز کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے۔ میں نے ایک بار ان سے کہا کہ اگر آپ عالم دین نہ ہوتے تو بہت بڑے نقاد ہوتے۔ اس پر وہ کھل کھلا کر ہنسے اور میری تائید کی۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کے علمی مقام، ان کے اندازِ تحریر، ان کی خطابت، ان کی تحقیق اور بطور مفسر اور محدث ان کے مقام کا جائزہ لینے کا یہ محل نہیں اور نہ ہی اس مختصر مضمون میں ایسا ممکن ہے۔

علامہ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر عالمِ اسلام کا ایک قیمتی اثاثہ تھے، جنھیں سترہ مارچ کو وفاقی دارالحکومت میں دن دھاڑے شہید کر دیا گیا اور سفاک قاتل ان کی گاڑی، موبائل فون اور دیگر قیمتی اشیاء لے کر فرار ہو گئے۔ جب ڈاکٹر صاحب کو شہید کیا گیا، ہفتے کا دن تھا، دفتر میں چھٹی تھی، ڈاکٹر صاحب گھر پر ہی تھے کہ تقریباً دوپہر اڑھائی بجے کے قریب گھر کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کی اہلیہ کے بقول ڈاکٹر صاحب نے خود دروازہ کھولا، مہمانوں کے رُوپ میں آنے والے قاتلوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور اہلیہ سے چائے بنانے کو کہا اور دو انگلیوں سے اشارہ کیا، اہلیہ نے دو مہمانوں کے لیے چائے بنا کر دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکٹر صاحب واپس آئے اور اہلیہ سے کہا کہ بے چارے مسکین سے ہیں، کھانے کے لیے کچھ دے دیں، اہلیہ نے کھانا بنانا چاہا تو کہا جو کچھ موجود ہے، وہی دے دیں، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے لیے میتھی سے پکائی گئی دو روٹیاں "مہمانوں" کو دے دی گئیں۔ ڈاکٹر صاحب برتن لے کر آئے اور فروٹ کی ٹوکری لے جا کر سفاک مہمانوں کے پاس بیٹھ گئے۔ واضح رہے کہ اس وقت ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ کے سوا گھر میں کوئی نہ تھا، ان کا بیٹا سعد یونیورسٹی گیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی عادت تھی کہ دیر تک مہمانوں کے پاس بیٹھے رہتے، ان کے ساتھ گفتگو کرتے، ان کے مسائل سنتے، قرآن و حدیث کے مطابق آنے والوں کی رہنمائی کرتے، یوں اکثر اوقات مہمان گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ ڈاکٹر صاحب انتہائی ہمدرد اور شفیق شخصیت کے مالک تھے، ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ بسا اوقات مہمانوں کو اپنی گاڑی پر چھوڑنے بھی چلے جاتے تھے۔ سہ پہر چار بجے نماز عصر کے لیے الارم نے بجنا شروع کیا تو ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ نے نمازِ عصر ادا کی، اسی دوران گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز آئی، اہلیہ یہ سمجھیں کہ ڈاکٹر صاحب مہمانوں کو چھوڑنے گئے ہیں مگر وہ دیر تک واپس نہ لوٹے تو اہلیہ نے موبائل پر فون کیا مگر موبائل بند تھا۔ ڈاکٹر صاحب کبھی اپنا موبائل بند نہ کرتے تھے، اہلیہ کو تشویش ہوئی تو SMS کیا مگر کوئی جواب نہ آیا، اسی دوران ان کا بیٹا سعد یونیورسٹی سے واپس آیا تو ماں بیٹے نے ڈرائنگ روم میں دیکھنا چاہا مگر وہ اندر سے لاک تھا اور ڈرائنگ روم کے پردے گرے ہوئے تھے۔ بیٹے سعد نے سوراخوں سے جھانک کر دیکھا تو انھیں شک گزرا کہ ڈرائنگ روم میں پڑے بیڈ پر کوئی لیٹا ہے، سعد ڈاکٹر صاحب کے بیڈ روم سے ملحق ڈرائنگ روم کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو اس خوف سے تھوڑی دیر رک گئے کہ ابو دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونے پر ڈانٹیں گے مگر اب پیار و محبت سے ڈانٹنے والے ابو میٹھی نیند سو چکے تھے، ان کے اوپر کمبل اوڑھا ہوا تھا اور ان کا ایک ہاتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ سعد بیٹے نے اپنے ابو کو یوں بے خبر سوتے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کمبل ہٹایا تو اس کی چیخیں نکل گئیں، اس کے ابو کا جسم رسیوں، بندوں سے جکڑا ہوا تھا اور وہ ابدی نیند سو رہے تھے۔ کچھ دیر دونوں ماں بیٹا سکتے کی سی کیفیت سے دوچار ہو گئے، پھر سعد نے ہمت کر کے اپنے بڑے بھائی حافظ مسعود اظہر کو خانیوال فون کیا مگر اس کے منہ سے رونے کے سوا کوئی آواز نہ نکل رہی تھی۔ بڑے بھائی نے ڈانٹ کر پوچھا: بتاؤ کیا بات ہے تو اس کے منہ سے بمشکل یہ الفاظ نکل پائے کہ "کوئی ابو کو شہید کر گیا ہے" حافظ مسعود اظہر کے بقول یہ نماز مغرب کے بعد کا وقت تھا اور اس وقت اندھیرا چھا رہا تھا۔

علامہ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کی شہادت کی یہ خبر آناً فاناً نہ صرف پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں پھیل گئی اور چند ہی لمحوں بعد ہزاروں افراد ان کی رہائش گاہ واقع آئی-ٹین ون پہنچ گئے۔ ہر چہرے پر آنسو تھے، سسکیاں تھیں، آہیں تھیں، افسردگی تھی، سوالات تھے کہ قاتل کون تھے؟ ان کے مقاصد کیا تھے اور وہ کس کو، کیا پیغام دینا چاہتے تھے؟ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی، ان کے والد صاحب کے پاس سات آٹھ ایکڑ زرعی زمین تھی اور اسی پر خاندان کی گزر بسر تھی، والد صاحب مذہبی مزاج رکھتے تھے، انھوں نے اپنے بیٹے عبدالرشید کو ایک دینی مدرسے میں داخل کرایا

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



اور پھر عبدالرشید جامعہ سعیدیہ خانیوال، جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اپنے آپ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر کے واپس لوٹے تو حافظ عبدالرشید اظہر کے لقب سے ان کا نام پورے ملک میں گونجنے لگا اور جب وہ علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر بنے تو وہ دنیا کے متعدد ملکوں میں سیکڑوں اجتماعات سے اپنے پر اثر خطابات کے ذریعے اور اپنے دلنشیں انداز سے لاکھوں دلوں میں گھر کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہ صرف پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں ادا کی گئی بلکہ مسجد نبوی ﷺ مدینہ منورہ، کویت، قطر، امریکہ، برطانیہ اور جنوبی افریقہ سمیت متعدد ممالک میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی... ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کی نماز جنازہ کے موقع پر بڑے رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ اٹھارہ مارچ کو صبح ساڑھے نو بجے جامعہ سلفیہ اسلام آباد میں ان کی نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی اور ان کا جسد خاکی ان کے آبائی شہر خانیوال کی طرف روانہ ہوا۔ دوپہر تقریباً دو بجے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی تو فیصل آباد اور گردونواح سے ہزاروں افراد امڈ آئے اور ان کی نماز جنازہ فیصل آباد کی تاریخ کے چند بڑے جنازوں میں شمار ہونے لگی... معروف عالم دین مولانا مسعود عالم جب نماز جنازہ کے دوران میں اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے تو ان سمیت ہزاروں شرکاء کی آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے اور ان کی ہچکیوں سے پتہ چل رہا تھا کہ ایک بہت بڑے عالم دین اس جہاں سے رخصت ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی نماز جنازہ کا سب سے بڑا اجتماع خانیوال میں ہوا جہاں عشاء کی نماز کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی اور آزاد ذرائع ابلاغ کے مطابق 35 سے چالیس ہزار کے لگ بھگ افراد نماز جنازہ میں شریک ہوئے... اسلام آباد، فیصل آباد اور خانیوال میں ڈاکٹر صاحب کے چہرے کا دیدار کرنے والے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور سفاک قاتلوں کے خلاف ان کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں... لاکھوں مسلمانوں، ہزاروں علمائے کرام اور اولیاء کی یہ دعائیں قاتلوں کو اللہ کی زمین پر سکون سے کیسے چلنے دیں گی، وہ دن دور نہیں کہ اللہ کی زمین ان پر تنگ ہوتی جائے گی اور وہ اسی زندگی میں ذلیل و رسوا ہو کر عبرتناک انجام سے دوچار ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

ابتدائی میڈیکل رپوٹس اور شواہد کے مطابق مہمانوں کے رُوپ میں آنے والے درندہ صفت قاتلوں نے ڈاکٹر صاحب کے منہ اور ناک پر کپڑا ڈال کر، ان کا سانس بند کر کے انھیں شہید کیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انھیں شہید کرنے سے قبل بے ہوش کیا گیا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی بارعب شخصیت اور طویل قدو قامت کے باعث دو افراد کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ انھیں آسانی کے ساتھ دبوچ لیتے... تاہم یہ بات یقینی ہے کہ قاتل انتہائی تجربہ کار اور تربیت یافتہ تھے۔ ان ظالموں نے یہ واردات اس قدر مہارت کے ساتھ کی کہ گھر میں موجود ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ اور پڑوس میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، قاتل جب گاڑی لے کر فرار ہوئے تو محلے کے بعض افراد نے انھیں گاڑی لے جاتے دیکھا مگر وہ اس خیال سے خاموش رہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں اکثر ملاقاتی آتے رہتے تھے اور کیا معلوم کے یہ ان کے کوئی جاننے والے ہوں۔

علامہ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کو شہید کیوں کیا گیا؟ ان کا کیا جرم تھا؟ قاتلوں کے پیچھے خفیہ ہاتھ کس کا ہے، وہ کس کو کیا پیغام دینا چاہتے تھے؟ یہ سب کچھ ابھی پردۂ راز میں ہے۔ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کا کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہ تھا، وہ جھگڑوں اور تنازعوں میں پڑنے والے شخص تھے ہی نہیں، وہ تو اکثر اپنے جائز حقوق سے بھی دوسروں کے حق میں دستبردار ہو جایا کرتے تھے، وہ ایک سیلف میڈ انسان تھے، ان کا کوئی جائداد وغیرہ کا تنازعہ بھی کسی کے ساتھ نہ تھا، انھوں نے جو کچھ کمایا اور بنایا وہ اپنی محنت سے اور اللہ کے فضل و کرم سے۔ ان کے پاس کوئی لمبی چوڑی جائیداد اور پراپرٹی بھی نہ تھی کہ کوئی ان کی جان کا دشمن بن جاتا۔ وہ اپنے خاندان کے بزرگ تھے اور سب انھیں ازحد احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے، وہ ایسے دور اندیش تھے کہ عام لوگ بھی ان سے اپنے خاندانی اور ذاتی معاملات حل کراتے تھے۔ مذہبی منافرت اور فرقہ وارانہ انتہاپسندی کے وہ سخت خلاف تھے، وہ خود ہمیشہ مثبت انداز میں قرآن وسنت کی دعوت پیش کرتے رہے اور اسی کی طرف سب کو دعوت دیتے اور اسی راستے کی ہدایت کرتے تھے۔ اندریں حالات ڈاکٹر عبدالرشید اظہر کی شہادت کھلی دہشت گردی ہے اور وفاقی دارالحکومت میں ہونے والی دہشت گردی کی اس واردات کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلا کر قاتلوں کو فوری سزا دی جانی چاہیے۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



سانحہ فرانس قابل غور پہلو

عطا محمد جنجوعہ

عالم کفر اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو مٹانے کے منصوبہ پر عمل پیرا ہے۔ طاغوتی قوتوں نے عربوں کے سینہ میں اسرائیل کا تیر پیوست کیا تو اسرائیل نے جن حربوں سے فلسطینیوں کو بے دخلی پر مجبور کیا آج طاغوتی قوتوں اور ان کے چیلوں نے وہی حیلہ اپنا کر مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر کے کیمپوں میں رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ افغانی، عراقی، کرد، افریقی اور شامی مسلمان لاکھوں کی تعداد میں آسمان کی چھت تلے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ ظلم کی انتہا ہے کہ بمبار طیاروں کی گولہ باری سے کیمپوں میں محصور بے گناہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ نوآبادیاتی دور میں مسلمان یورپی ممالک میں آباد ہوئے تو وہ نہایت امن و سکون سے اپنے کام کاج میں مصروف تھے۔ انھیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت تھی۔ سیکولر لہر کی بدولت اہل مغرب کے سماجی نظام کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کے مستحکم خاندانی نظام سے متاثر ہوئے، نائن الیون کے بعد ان میں اسلام سے آگاہی کا شعور پیدا ہوا۔ اہل ذوق نے مطالعہ کرنے کے بعد اسلام کو دین فطرت کے مطابق پایا، اس طرح اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

شمالی یورپ کے ملک برطانیہ میں ایک مسجد شاہ جہان تھی جو 1899ء میں تعمیر ہوئی، لیکن اب برطانیہ میں ایک ہزار سے زیادہ مساجد ہیں۔ برطانیہ میں 30، جرمنی میں 40 اور فرانس میں 66 لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ برطانیہ میں مسلمان ارکانِ پارلیمنٹ کی تعداد 9 ہے۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



یہودیوں نے سرمایہ دارانہ نظام میں ووٹ اور نوٹ کے بل بوتے پر مغربی دنیا میں سیاسی اجارہ داری حاصل کی ہوئی تھی۔ ان کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگائیں کہ ”امریکی سینٹ میں ریپبلکن پارٹی سے تعلق رکھنے والے سینیٹر نزگراہم نے کہا کہ اگر فلسطینیوں کی جانب سے انٹرنیشنل کریمنل کورٹ میں اسرائیل کے خلاف درخواست دائر کی گئی تو امریکی امداد رک جانے کا امکان موجود ہے۔“ (روزنامہ نئی بات 21-1-2015) یہودی لابی کی منظوری سے مغربی دنیا کے ایوانوں میں قانون سازی ہوتی ہے۔ یہودیوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ جاری رہا تو وہ انتخابی سیاست میں نمایاں مقام حاصل کرلیں گے اور اسلام کے آفاقی قوانین کو پاس کرانے کی پوزیشن اختیار کرلیں گے، چنانچہ یہودیوں نے اسلام کو وحشیانہ مذہب اور مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے مغربی دنیا میں گھناؤنی وارداتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ مغربی میڈیا جس پر صہیونی کنٹرول ہے، اُس نے دہشت گردی کی واردات کے فوراً بعد مسلمانوں پر الزام عائد کیا۔ لیکن اصل حقائق اس کے برعکس ہیں۔

”لاہور فارن ڈیسک یورپ اور امریکہ میں زیادہ تر دہشت گردی غیر مسلموں نے کی۔ 1981ء سے 2005ء تک دہشت گردی کے 94 فیصد واقعات میں کوئی مسلمان ملوث نہ تھا۔“ (روزنامہ نئی بات 19-1-2015) میڈیا کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر مغربی حکومتوں نے اسلامی تشخص کو نمایاں کرنے والے شعار پر پابندی عائد کردی۔ جرمانے ادا کیے، لیکن مسلم عورتوں نے پردہ ترک نہیں کیا۔ اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے عدالتی دروازہ پر دستک دی تاہم نقل مکانی نہیں کی۔

یہودیوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو باہم لڑانے کے لیے تدبیر سوچی۔ اپریل 2003ء میں امریکی صدر بش نے یونائیٹڈ سٹیٹس انسٹی ٹیوٹ آف پیس میں ڈینیئل پائپس نامی صہیونی کو اہم عہدہ دیا۔ اس نے عالمی امن کی راہ ہموار کرنے کی بجائے دنگا فساد پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔ اکتوبر 2004ء میں جیلنڈس پوسٹن کے کلچرل ایڈیٹر فلیمنگ روز سے مل کر رحمت کائنات ﷺ کے گستاخانہ خاکے شائع کرنے کا پروگرام بنایا، چنانچہ اس نے 2005ء میں توہین آمیز خاکے چھاپے۔ فرانس کے اخبار چارلی ایبڈو نے 2006ء میں خاکے شائع کیے۔ 2011ء میں چارلی ایبڈو کے دفتر کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی گئی، اس کے باوجود اسخبار نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں طنز و مزاح کا سلسلہ جاری رکھا۔ 2014ء کے آخر میں اسی اخبار نے شریعت کے نام سے ضمیمہ شائع کیا جس میں آپ ﷺ کی شان اقدس سے متعلق توہین کی گئی۔ 7 جنوری 2015ء کو فرانس کے اسی جریدہ چارلی ایبڈو دفتر پر حملے اور تشدد کے نتیجہ میں 12 افراد ہلاک ہوئے۔ مسلمانوں نے جذبات میں آکر کارروائی کی یا طاغوتی قوت نے مسلمانوں اور صلیبی قوم کو لڑانے کی کوشش کی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم چند نکات قابل غور ہیں:

✷ چارلی ایبڈو نے توہین آمیز کارٹون شائع کیے تو اس کے دفتر کو آگ بھی لگادی گئی۔ جب اس نے دوبارہ مذموم حرکت کی اور عملے کا اہم ترین اجلاس ہورہا تھا، حلومت نے اس لی سکیورٹی کا خاطر خواہ انتظام کیوں نہ کیا۔ ملزم موقع پر فرار ہوگئے۔ کئی گھنٹوں کی جستجو کے بعد ان کے ٹھکانے کا علم ہوگیا تو مجرموں کو زندہ گرفتار نہ کرنا اور مار گرانا، کیا مشکوک معاملہ نہیں ہے؟

✷ 7 جنوری کو دفتر اخبار پر حملہ ہوا اور صرف چار دن بعد 11 جنوری کو 30 لاکھ افراد کا پیرس میں احتجاجی مارچ ہوا۔ چالیس ممالک کے سربراہوں نے شرکت کی۔ یہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ کا حصہ تو نہیں تھا؟ اگر نہیں تو دنیا کے دیگر مقامات پر تاریخ کے المناک سانحے ہوئے، مثلاً: 16 دسمبر 2014ء کو آرمی پبلک سکول پشاور میں دہشت گرد کارروائی میں بچوں سمیت 142 افراد جاں بحق ہوئے۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے پاکستان آکر ریلیوں کی قیادت کیوں نہ کی؟

فرانس کے دیگر شہروں میں بھی لاکھوں افراد نے ریلیاں نکالیں۔ غور طلب پہلو ہے کہ اس واقعہ کی تشہیر کرکے اہل مغرب کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت ابھاری گئی یا عدالتی تحقیقات تک صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی؟

✷ نیٹو طیارے افغانستان اور عراق کے شہروں پر بمباری کرکے بے گناہ سول شہریوں کو ہلاک کرتے رہے۔ اس وقت مسلم دنیا میں بین المذاہب کانفرنسوں کا انعقاد ہوتا رہا جن میں مشترکہ اقدار کو فروغ دینے اور رواداری کی تلقین کی جاتی رہی۔ لیکن فرانس کے اس واقعہ پر بردباری کرنے کی بجائے احتجاجی مارچ کے دوران اہل مغرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا کیوں گیا؟

✷ طنزیہ میگزین چارلی ایبڈو کے ایک شمارہ کی

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



60 ہزار کاپیاں شائع ہوئی تھیں۔ حملہ کے بعد نیا شمارہ فروخت کے لیے پیش کیا گیا جس کے سرورق پر رحمت کائنات ﷺ کا خاکہ شائع کیا گیا۔ مانگ کی وجہ سے اس کی 60 لاکھ کاپیاں شائع کی گئیں۔ یہ آزادی ہے یا دل آزاری؟

پیرس میں گستاخانہ خاکوں کی موجودگی اور فرنچ میگزین کا دس لاکھ گستاخانہ خاکے چھاپنے کا اعلان مفاہمت کی پالیسی ہے یا اہل مغرب اور مسلم دنیا کو لڑانے کی سازش؟

✷ فرانس کی سیاسی جماعت فرنٹ نیشنل کی سابق سربراہ لی پین کا بیان حقائق کی نقب کشائی کرتا ہے۔ ”لی پین نے پیرس میں دہشت گردی کو مشکوک قرار دیا۔ لی پین نے کہا ہے کہ پیرس میں دہشت گردی امریکہ اور اسرائیل کی سازش ہوسکتی ہے۔ کارروائی کا مقصد اسلام اور مغرب کے درمیان سول وار کرانا ہوسکتا ہے۔ کارروائی کی جگہ سے دہشت گرد کا شناختی کارڈ مضحکہ خیز ہے۔ نائن الیون کے وقت بھی ایک ہائی جیکر کا پاسپورٹ ملا تھا۔ پیرس میں دہشت گرد کارروائی سیکرٹ سروس آپریشن سے ملتی ہے۔“ (روزنامہ نئی بات 19-1-2015) لی پین کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ ڈینش پیپلز پارٹی کے چیئرمین کرسچین تھولیسن وایل نے بیان دیا ہے کہ فرانس کی حکومت کو مسلمانوں کے خلاف ایک جارحانہ رویہ اپنانے کی ضرورت ہے اور میں یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ ڈنمارک میں موجود تمام مساجد کو بھی بند کردیا جائے۔

✷ عوام کے ذہنوں کو منفی و مثبت سرگرمیوں کی طرف رخ موڑنے کے لیے میڈیا موثر ذریعہ ہے۔ حملہ کے دوسرے دن 8 جنوری کو فرانس کے مشہور ادیب مشل ہولی بیک کے ناول سم بشن کی فروخت شروع ہوئی۔ اس کتاب میں فرانس کو تصوراتی طور پر 2022ء میں اسلامی مملکت کے طور پر دکھایا گیا۔ جس میں ایک مسلمان جماعت کا راہ نما فرانس کا صدر بن جاتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں قرآن حکیم کی تعلیم لازمی ہوجاتی ہے۔ خواتین کا پردہ عام ہوجاتا ہے۔ ان کی ملازمتیں ترک کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ فرانس کے شہریوں کو ماضی قریب میں اسلام کے غلبہ کا تاثر دے کر اہل یورپ کے نوجوانوں میں مسلم مخالف جذبات کو منتقل کیا گیا۔

چارلی ایبڈو پر حملہ کے ردعمل میں یورپ کی مساجد پر حملے ہوئے اور نمازیوں کو زخمی کیا گیا۔ پولیس نے مساجد کی سکیورٹی سخت کردی اور مسلمانوں کی کڑی نگرانی شروع کردی۔ امام کائنات محمد ﷺ نے مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت دی۔ قریش مکہ نے آپ کی آواز پر لبیک کہنے والے مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کردی لیکن وہ صبر و استقلال کا پہاڑ بن کر اللہ کی کبریائی کا اعلان کرتے رہے اور اپنے آقا کا دامن نہیں چھوڑا۔ اہل مغرب کے مسلمانوں نے رہبر کامل e کی مکی زندگی کے اسوۂ حسنہ کو سینے سے لگائے رکھا تو اللہ کی نصرت سے مستقبل قریب اشاعت اسلام کے مثبت اور تعمیری نتائج برآمد ہوں گے۔ البتہ حرمت رسول ﷺ کے تحفظ کے لیے دفاعی اقدام اختیار کرنا فرض اولین ہے۔ اگر وہ کوتاہی کریں گے تو دنیا و آخرت میں رسوا ہوں گے۔

طاغوتی قوتیں سازشی پلان سے مسلمانوں کو ہلاک کریں یا بے دخلی کے جتن کرتے رہیں وہ مسلمانوں کو ختم کرسکتے ہیں نہ اسلام کو ہی مٹا سکتے ہیں۔ روز روشن کی طرح حقیقت ہے کہ میڈیا کی بدولت اسلام کا پیغام مشرق سے مغرب تک ہر گھر میں پہنچ کر رہے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف محدود مدت کے لیے مبعوث ہوئے۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کریں۔ انقلابِ فرانس کے نتیجہ میں مغربی دنیا میں جمہوری نظام رائج ہوا تو عیسائیت کا دائرۂ کار گرجا گھروں میں چند رسم و رواج تک محدود ہو کر رہ گیا۔ جبکہ دیگر معاملات میں اہل مغرب آزاد ہوگئے۔ دور کلیسا کے برعکس مذہب کی تبدیلی جرم نہ رہا، چنانچہ وہاں کے اہل ذوق تحقیق کرنے پر اسلام قبول کررہے ہیں۔ عورتوں نے سماج کے استحصالی نظام سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو مغرب کی بعض ریاستوں میں اسلام کے عفت و حیا کے اصولوں کو رائج کیا جارہا ہے۔ یورپ میں جس شرح سے جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے یقیناً امن و امان کی خاطر شرعی قانون کو رائج کرنا اُن کی مجبوری بن جائے گا۔ اہل مغرب کا سنجیدہ طبقہ اسلام کے آفاقی قانون کی برکات کے ثمرات دیکھ کر اسلام قبول کرے گا۔ رفتہ رفتہ مسلمان کثرت میں ہو جائیں گے تو جمہوری نظام کی بدولت ان کا سربراہ یقینا مسلمان منتخب ہوگا۔ وہ اللہ کے نازل کردہ اور رحمت کائنات ﷺ کے فرمودہ احکام کو نافذ کرکے خطہ کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنادے گا۔ ان شاء اللہ! اور یہودیوں کا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق؟

آخری قسط

فوائد، حکمتیں اور شبہات کا ازالہ

مولانا خاور رشید بٹ

غیر مسلموں کو سلام کہنا

احادیث مبارکہ میں سلام کہنے کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اسے باہمی محبت کے فروغ اور جنت میں داخلے کا سبب بتایا گیا ہے۔ اس کے کئی احکام ہیں جنھیں کتب احادیث اور اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سردست یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آیا سلام کہنے کے تمام احکام مسلمانوں کے لیے خاص ہیں یا غیر مسلم کو بھی سلام کہا جاسکتا ہے؟

اس حوالے سے پانچ صورتیں مذکور ہیں جن میں سے چار پر اتفاق ہے اور ایک مختلف فیہ ہے، ملاحظہ فرمائیں:

① کسی غیر مسلم سے گفتگو کرتے ہوئے آپ اس نتیجے پر پہنچیں کہ اب اس کے ساتھ بات چیت کرنا لاحاصل ہے تو اس کو التوا میں ڈالنے کے لیے سلام کہنا اور مجلس برخاست کر دینا، اسے سلام متارکہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ”سات سلام کہنا“ یہی مفہوم رکھتا ہے۔ اس کا تذکرہ قرآن مجید کے چار مقامات پر ہے۔

اول: ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی دھمکی

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



کے جواب میں فرمایا تھا: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ إِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ ”تم پر سلام ہو میں تو اپنے رب سے تمھاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔ بلا شبہ وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے۔“ (مریم 47:19)

دوم: رسول کریم ﷺ نے جب اپنی قوم کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے کیا کہ یہ ایمان نہیں لاتے تو حکم ہوا: ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ ”پس آپ ان سے منہ پھیر لیں اور رخصتانہ سلام کہہ دیں۔ انھیں خود ہی (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔“ (الزخرف:89)

سوم: ایمان والے لوگوں کا طرز عمل یوں بتایا گیا: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ”اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔“ (الفرقان 63)

چہارم: اہل ایمان ہی کی ایک خوبی یوں بیان کی گئی ہے: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ ”اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے، تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کی ہم نشینی کے طالب نہیں۔“ (القصص 55:28)

② سلام کے مشروع الفاظ ”السلام علیکم“ کے علاوہ دوسرے کلمات استعمال کرنا، مثلاً: «اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى» ”جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلام ہو۔“

اسی طرح حال احوال دریافت کرنے کے لیے بولے گئے الفاظ، مثلاً: کیا حال ہے؟ آپ خیریت سے ہیں، وغیرہ وغیرہ کہے جاسکتے ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کوئی ایسا جملہ جو غیر مسلموں کا مذہبی شعار اور پہچان ہے اسے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں غیروں کی نقالی اور مشابہت ہے جو شرعی لحاظ سے ممنوع ہے۔

1: سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جب فرعون کے دربار میں گئے تو اسے ان الفاظ سے سلام کیا: ﴿وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ ”اور سلامتی اس کے لیے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔“ (طٰہٰ 47:20)

2: رسول اکرم ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو خط لکھا تو یہ الفاظ لکھے: «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ السَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى» ”یہ خط محمد ﷺ جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں، کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام ہے۔ جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلام ہو۔“ (البخاری: 7)

3: غیر مسلموں کو مشروع الفاظ کے ساتھ سلام کہنا ممنوع ہے۔ اس کے علاوہ کسی صورت کو غلط قرار نہیں دیا گیا (تفصیل آگے آرہی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں: کسی غیر مسلم کو دنیا کی بہتری کی دعا دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ (تفسیر کشاف: 550/1)

حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ ممانعت مشروع سلام کہنے کی ہے۔ دیگر الفاظ کے ساتھ سلام کہنا درست ہے۔ (فتح الباری: 40/11)

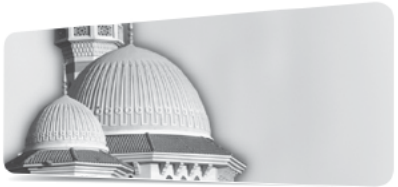
4: رسول اکرم ﷺ کے پاس یہود اس نیت سے چھینکتے کہ آپ انھیں «يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ» ”اللہ تم پر رحم فرمائے۔“ کہہ کر دعا دیں۔ لیکن آپ ﷺ فرماتے: «يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ» ”اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھارے معاملات سنوار دے۔“ (ابو داود: 5038)

معلوم ہوا کہ دنیوی معاملات میں خیر و برکت کی دعا غیر مسلموں کے لیے بھی کی جاسکتی ہے اور زیر بحث مسئلہ بھی اس کی ایک صورت ہے۔

③ **مخلوط مجلس:** اگر کسی مجلس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے افراد موجود ہوں تو اس وقت سب کو مشترکہ طور پر سلام کیا جاسکتا ہے۔ اس کی ضرورت کلاس روم، دفتر، فیکٹری، اور مذہبی اجتماع میں پڑتی ہے۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تیمار داری کے لیے تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ راستے میں ایک جگہ لوگ بیٹھے تھے جن میں مسلمان، بتوں کے پجاری اور یہودی بھی تھے۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو «فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللّٰهِ وَقَرَءَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ» ”انھیں سلام کیا، ٹھہرے اور سواری سے نیچے اتر کر انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔“ (البخاری: 6254) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں عنوان قائم کیا: «بَابُ التَّسْلِيمِ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ» ”ایسی مجالس

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



میں سلام کہنے کا بیان جس میں مسلمان اور مشرک سب شامل ہوں۔"

④ ایسا شخص سامنے آجائے جس کے مذہب کا علم نہ ہو تو اسے سلام کرنا چاہیے۔

اول: رسول اکرم ﷺ سے کسی نے پوچھا: اسلام کی کون سی صورت سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کھانا کھلانا، پہچان والے اور ناآشنا کو سلام کہنا۔" (البخاری: 6236، و مسلم: 39)

دوم: رسول اکرم ﷺ مقام رَوحاء پر پہنچے تو ایک قافلہ دیکھا، انھیں سلام کیا، پھر پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم مسلمان ہیں۔ (ابو داود:1736)

⑤ غیر مسلم کی مجلس ہو یا راستے میں کسی جگہ اچانک ملاقات ہوجائے اور اس کے متعلق علم بھی ہے، اسے السلام علیکم کہا جائے گا یا نہیں؟ یہ مختلف فیہ صورت ہے۔

مانعین کی دلیل، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف مجبور کردو۔" (صحیح مسلم: 2167)

جمہور سلف صالحین کا یہی موقف ہے۔ تنگ راستے کی طرف مجبور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تنگ راستے میں آمنا سامنا ہو جائے تو ان کا اکرام اور عزت و توقیر کرتے ہوئے ایک جانب نہ ہٹو۔ یہ مفہوم نہیں کہ جب کسی وسیع اور کھلے راستے پر آمنا سامنا ہو تو پھر انھیں تنگ راستے سے گزرنے پر مجبور کرو کیونکہ یہ تو تکلیف دینے کے مترادف ہے جو شرعی لحاظ سے بغیر سبب کے ممنوع اور حرام ہے۔ (فتح الباری: 40/11)

قائلین کے دلائل: سلف صالحین میں سے چند لوگ ہی مسنون سلام کہنے کے قائل ملتے ہیں۔ ان کے دلائل عمومی ہیں جبکہ خصوصی دلیل نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔

☆ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آتا ہے: "وہ مسلمان، یہودی اور عیسائی کے پاس سے گزرتے تو اسے السلام علیکم کہنے میں پہل کرتے۔ ان سے پوچھا گیا تو جواب دیا: ہمیں سلام عام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" (فتح الباری: 41/11) ابن حجر نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

☆ جناب علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا کہ ایک ذمی بھی شریک سفر ہو گیا، تھوڑی دور جا کر راستہ الگ ہوا تو انھوں نے ذمی کو السلام علیکم کہا۔ میں نے پوچھا: یہ کیا؟ انھیں سلام میں ابتدا کرنا آپ ناپسند نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، لیکن صحبت کا حق بھی تو ہے (اس لیے میں نے سلام کیا ہے) (فتح الباری: 41/11 ابن حجر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔)

☆ جناب سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے سورۂ ممتحنہ کی آیت:8 کے عموم سے سلام کے جواز کا استدلال کیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کہنے میں ابتدا کرنا بھی ان کے ساتھ اچھے سلوک کی ایک صورت ہے۔ (فتح الباری: 39/11)

☆ جناب عملان رحمہ اللہ کہتے ہیں سیدنا عبداللہ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہما اہل شرک کو سلام کرنے میں ابتدا کیا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ: 26266)

☆ جناب محمد بن کعب رحمہ اللہ نے سورۃ الزخرف کی آیت:89 کے عموم سے جواز کا استدلال کیا ہے۔ (ابن ابی شیبہ:26264،وفتح الباری: 39/11)

☆ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل کتاب کے کسی فرد کو خط لکھا اور اس میں "السلام علیکم" لکھا۔ (ابن ابی شیبہ: 26262، اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے)

خاص دلیل: سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو جب ان کے والد، چچا اور خاندان کے دیگر افراد لینے کے لیے آئے۔ (یہ تمام لوگ غیر مسلم تھے)۔ انھوں نے نبی ﷺ کا احترام کرتے ہوئے ان کا استقبال کیا نہ ان کی آواز کا جواب ہی دیا: نبی ﷺ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو بتایا یہ میرے اہل خانہ ہیں، تب آپ ﷺ نے فرمایا: «قُمْ فَسَلِّمْ عَلَيْهِمْ يَا زَيْدُ! فَقَامَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمُوا» "زید! کھڑے ہو جاؤ اور انھیں سلام کہو، چنانچہ انھوں نے کھڑے ہو کر سلام کیا اور انھوں نے بھی سلام کیا۔" (مستدرك حاكم: 235/3: 4946)

غیر مسلم کو سلام کہنے میں ابتدا کرنے کی یہ واضح ترین روایت ہے لیکن اس کے آگے امام ذہبی کی تعلیق کے حوالے سے لکھا ہے: "انھوں نے التلخیص سے اس روایت کو اس کے ضعیف ہونے کے سبب حذف کر دیا ہے۔

اس موقف کے حامی اس دور کے کئی دانشور اور اسکالر حضرات ہیں۔ ان کے نزدیک ممانعت کا حکم خاص پس منظر رکھتا ہے، یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کو جینے کا حق نہیں دیتے ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کی کوشش میں لگے رہتے

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ہیں جیسا کہ یہود مدینہ کی صورت حال تھی۔

رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو ان کے ساتھ امن و امان، مذہبی آزادی اور باہمی تعاون کا معاہدہ کیا، لیکن انھوں نے کبھی اس کی پاس داری نہ کی۔ اسلام دشمن سازشیں اور خیانتیں روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی تھیں۔ سلام و کلام میں مسلمانوں کو زبان ٹیڑھی کرکے بد دعائیں دی جاتیں۔ ان تمام حرکتوں کے باوجود قرآن نے در گزر کا حکم دیا۔ (البقرۃ 109:2)

جب یہ سازشیں آخری حد کو پہنچ گئیں تو ان سے جنگ ہوئی اور انھیں جلا وطن کیا گیا۔ (الحشر 1:59، 5) اس طرح مختلف حالات کے پیش نظر ان کے متعلق سلام کے رویہ میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ ہو سکتا ہے سلام میں پیش قدمی نہ کرنے اور راستہ میں ان کا احترام نہ کرنے کی ہدایت اسی طرح کے حالات میں دی گئی ہو۔ ظاہر بات ہے حالات کے بدل جانے کے بعد حکم بھی بدل جائے گا۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب

سلام کرنے والے کے مذہب کا علم نہ ہو تو اسے واضح الفاظ میں وعلیکم السلام کہا جائے گا لیکن جس کا یقین ہے کہ وہ غیر مسلم ہے اس کے جواب میں کیا کہا جائے؟ اس حوالے سے احادیث مبارکہ میں فقط ''وعلیکم'' یا ''علیکم'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ احادیث پیش خدمت ہیں:

☆سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے صحابہ کرام نے پوچھا: ''اہل کتاب ہم سے سلام کرتے ہیں، ہم ان کا جواب کیسے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وعلیکم کہہ دیا کرو۔'' (مسلم: 5781)

☆سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب جب تم کو سلام کہیں تو جواب میں وعلیکم کہا کرو۔'' (البخاری: 6258)

اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود شرارت کے ساتھ السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہا کرتے تھے جس کا معنی ہے: تم پر موت آئے یا تم دین سے اکتا جاؤ۔ تو نبی ﷺ نے ان کے جواب میں فقط وعلیکم کہنے کا حکم دیا تاکہ باوقار اور شریفانہ انداز میں ان کا جواب بھی ہوجائے اور زبان غیر مذہب الفاظ سے پاک بھی رہے۔

☆سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ یہودی آئے اور انھوں نے السام علیک کہا۔ میں نے جواب دیا: **علیکم السام ولعنتہ** ''تمھیں موت آئے اور اللہ کی تم پر لعنت ہو۔'' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: عائشہ! ٹھہر جا، صبر کر، یاد رکھ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کی: انھوں نے جو بدزبانی کی آپ نے سنی نہیں؟ فرمایا: میں نے انھیں وعلیکم کہہ کر جواب تو دے دیا تھا۔ (البخاری: 6256)

یہود کی اسی شرارت اور خبث باطن کی نشاندہی کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے: ''جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں سے سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے تجھے سلام نہیں کہا اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اس کہے پر سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لیے جہنم کافی سزا ہے جس میں یہ جائیں گے۔ سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔'' (المجادلۃ 8:59)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہود کے بغض و عناد اور شرارت کے سبب ایسا جواب دینے کا حکم ہے۔ جہاں ایسا سبب نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات یا اسلامی معاشرے کے زیر اثر غیر مسلم صحیح الفاظ میں مسلمانوں کو السلام علیکم کہتے ہیں تو ان کے جواب میں بھی مسلمانوں کا رویہ مختلف ہونا چاہیے کیونکہ حالات کے بدل جانے سے بعض احکام میں تبدیلی آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف کی ایک جماعت اس کی قائل نظر آتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سلف کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ غیر مسلم کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا جائز ہے جیسا کہ مسلمان کے جواب میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔ (فتح الباری: 45/11) اسی طرح کی بات عمدۃ القاری (306/18) میں بھی لکھی ہے۔

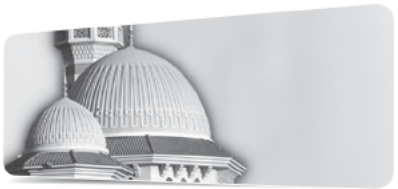
☆جب کوئی سلام کرے تو اسے سلام کا جواب دینا ضروری و لازم ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

(النساء 86:4)

جناب ابن زید اور قتادہ رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ اسی جیسے الفاظ میں جواب دینا اہل کتاب کے حق میں ہے جبکہ بہتر الفاظ میں مسلمانوں کو جواب دیا جائے گا۔ (تفسیر طبری 588/8)

☆جناب شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی کو خط لکھا اور اس میں السلام

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



علیکم لکھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب دیا: اس نے پہلے مجھے سلام کہا تھا میں اس لیے جواب میں لکھ رہا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 26268)

خلاصہ بحث

کسی کو سلام کہنا اسلامی تہذیب کا شعار ہے۔ اختلافی صورت میں زیادہ تر علماء کا موقف ہے کہ غیر مسلم کو سلام کے مسنون الفاظ کہنے میں ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔ ان کی دلیل زیادہ واضح اور محکم ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان حالات کے پیش نظر محسوس کرتا ہے کہ مسنون الفاظ کہنے میں دعوت و تبلیغ کے دورازے کھلتے اور غیر مسلم اسلام کے زیادہ قریب آجائیں گے اور ان غیر مسلموں میں یہود مدینہ کی طرح تعصب، عناد اور شرارت نہیں پائی جاتی، نیز سلام نہ کرنے کے نتیجے میں غیر مسلم برا محسوس کرتے ہوں۔ تو سلام کہہ دیتا ہے تو اسے مخالف سلف نہیں کہا جا سکتا کیونکہ سلف میں سے بھی بعض اس کے قائل تھے۔

بہر کیف حتی الوسع اسے دوسرے الفاظ ہی استعمال کرنے چاہئیں۔ یہ اجازت انتہائی مجبوری کے حالات کے پیش نظر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

یہ میری ذاتی رائے اور فہم ہے جو دلائل و حالات سے میری سمجھ میں آیا ہے۔ اس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ حتمی بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہی ہوتی ہے۔

بقیہ: شاہ عبداللہ سے ایک ملاقات

شاہ عبداللہ کے ساتھ مختصر گفتگو کے دوران اور بعد میں کھانے کی میز پر ان کی گفتگو سن کر اندازہ ہوا کہ وہ بہت ہی مدبر اور عالم اسلام کا درد رکھنے والے حکمران ہیں۔ ان تقریبات میں جو سات روز جاری رہیں ہمارے ساتھ سوڈان کے سابق صدر عبدالرحمان سوارالذھب، فلسطین کے مفتی اعظم، ایرانی صدر کے خصوصی مشیر آیت اللہ محمد علی تسخیری، عالم اسلام کے مشہور سکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک سمیت پوری دنیا سے سو سے زائد افراد نے سعودی حکومت کی شاہی میزبانی کا لطف اٹھایا۔

شاہ عبداللہ سعودی عرب کے چھٹے حکمران تھے۔ وہ تقریباً دس برس تک برسراقتدار رہے اور بالآخر 23 جنوری کو ہمیشہ کے لیے اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ گئے۔ پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات ہمیشہ مثالی رہے ہیں کیونکہ ان کی بنیاد اسلامی اخوت ومحبت کے لازوال تعلق پر مبنی ہے۔ سلطنت سعودی عرب کے بانی شاہ عبدالعزیز برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ سعودی عرب کے تمام حکمرانوں بشمول شاہ فیصل، شاہ خالد، شاہ فہد اور شاہ عبداللہ نے ہر مشکل گھڑی میں بڑھ چڑھ کر پاکستان کی مدد کی۔ شاہ عبداللہ کے دور میں یہ تعلق اور مضبوط ہوگیا۔ 1998ء میں جب پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے اور اس پر ہر طرف سے پابندیوں کی آوازیں اٹھنے لگیں تو یہ شاہ عبداللہ ہی تھے جنھوں نے نواز شریف کا حوصلہ بڑھایا اور ہر قسم کے تعاون کی نہ صرف یقین دہانی کرائی بلکہ عملی طور پر بھی انھوں نے جو کچھ کیا اس کی کسی کو مکمل خبر نہیں۔ شاہ عبداللہ اس وقت سعودی عرب کے ولی عہد تھے۔ بعد میں وہ حکمران بنے تو پاک سعودی تعلقات نئی بلندیوں کو چھونے لگے۔ جب بھی پاکستان پر کوئی افتاد ٹوٹتی تو سعودی عرب مدد کو پہنچ جاتا۔ گزشتہ برس جب پاکستان کی معیشت ڈولنے لگی تو شاہ عبداللہ ہی تھے جنھوں نے ڈیڑھ ارب ڈالر کا گرانقدر تحفہ دے کر پاکستان کی معیشت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا اور روپے کی قدر بہتر ہوئی۔ شاہ عبداللہ کے دور حکومت میں سعودی عرب کے نظام حکومت میں کئی نئے تجربات بھی ہوئے، انھوں نے سعودی عرب کی آزادی و خودمختاری پر کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ شاہ عبداللہ نے حرمین الشریفین کی توسیع کا ایسا منصوبہ بنایا جس کی پوری تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے، یہ پروجیکٹ مکمل ہونے کے بعد اگلے کم ازکم پچاس برس تک حرمین شریفین میں مزید توسیع کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ شاہ عبداللہ کی حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی بشری کمزوریوں سے درگزر فرماتے ہوئے انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے۔ اور ان کے بعد آنے والوں کو مملکت سعودی عرب کو اپنے اصل منہج پر چلانے کی ہمت اور توفیق بخشے۔ سعودی عرب کے عوام اور عالم اسلام کو ان سے بہت سی توقعات ہیں اور ان کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کرے۔ آمین!

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

حافظ شبیر صدیق



کیا نیکی بھی بربادی کا باعث بن سکتی ہے؟

قرآن و حدیث کے عمومی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ نیک کام کرنا شرعی طور پر مطلوب ہے۔ جنت میں داخلے کے لیے ہر شخص عمل صالح کا محتاج ہے۔ سورۂ مومنون میں اعمال صالحہ کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ o الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”یہی لوگ ہیں جو وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“ (المومنون 11,10:23) ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے فردوس کے باغ مہمانی ہوں گے۔“ (الکھف 107:18) ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَالْعَصْرِ o إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ o إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”زمانے کی قسم! بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔“ (العصر 3,1:103) رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے نام لے لے کر انھیں خطاب کیا اور فرمایا: ”قیامت کے دن میں تمھارے کسی کام نہیں آسکوں گا، لہٰذا دنیا ہی میں نیکیاں کرلو۔“ (صحیح البخاری: 4771)

ہر نیکی اپنی ذات کے لحاظ سے خیر ہی خیر ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی بے سود نہیں ہے۔ شرعی نصوص سے تو یہ بات بھی ثابت ہے کہ بعض افراد کو معمولی معمولی نیکیوں پر جنت کی خوشخبریاں سنائی گئی ہیں۔

قرآن و حدیث کے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ شرعی طور پر نیکی ایک مطلوب چیز اور کامیابی کی اساس ہے، تاہم اس کے باوجود کچھ بندوں کی نیکیاں ان کے کام نہیں آئیں گی۔ کچھ لوگ بڑی بڑی نیکیاں لے کر آئیں گے مگر انھیں ذرات کی

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



صورت میں اڑا دیا جائے گا۔ ان کی نیکیاں ان کے لیے نفع بخش ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا﴾ ”اور ہم اس کی طرف آئیں گے جو انھوں نے کوئی بھی عمل کیا ہوگا، چنانچہ اسے بکھرا ہوا غبار بنا دیں گے۔“ (الفرقان 23:25) ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً﴾ ”محنت کرنے والے، تھک جانے والے گرم آگ میں داخل ہوں گے۔“ (الغاشیة 4,3:88) سورۂ ماعون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ ”پس نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے، وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔“ (الماعون 5,4:107) ان لوگوں کی نیکیاں تو ہیں مگر وہ کارآمد نہیں ہیں۔ نیکیوں کے باوجود انھیں کامیابی کی بجائے ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ گویا وہ نیکیاں ان کے لیے ہلاکت اور بربادی کا باعث بن رہی ہیں۔ اپنی نیکیوں کے بارے میں ان لوگوں کا جو گمان تھا قرآن کریم اسے یوں بیان کرتا ہے: ﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ ”وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔“ (الکھف 104:18)

اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ نیکی فی نفسہ کامیابی کی اساس ہے، البتہ کچھ امور ایسے ہیں جو نیکی پر اثرانداز ہو کر اسے بے وزن کر دیتے ہیں۔ بظاہر تو وہ نیکی بہت بڑی محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ کھوکھلی ہوتی ہے۔ یوں وہ سیلی اس آدمی کے لیے ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ اسی طرح کچھ اعمال ایسے ہیں جنھیں بندہ نیک سمجھ کر ادا کر رہا ہوتا ہے، حقیقت میں وہ عمل نیک نہیں ہوتا۔ اس طرح ظاہر میں نظر آنے والی یہ نیکی اس آدمی کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہم آگے چل کر کریں گے۔ ذیل میں ہم ان امور کا ذکر کرتے ہیں جو ہلاکت اور بربادی کا باعث بنتے ہیں۔

نیکی میں تکبر

جب بندہ نیکیاں کرتا ہے تو شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ بندے کو نیکیاں کرنے سے روک دے۔ اگر بندہ اس کے شکنجے میں نہ آئے تو وہ اس پر دوسرا حملہ کر دیتا ہے۔ اس کا دوسرا حملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بندے کو نیکیوں کے غرور میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص شیطان کے اس حملے کا شکار ہو جائے تو پھر وہ نیکیوں کے بارے میں غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ شخص اپنے آپ کو بڑا نیک تصور کرنے لگتا ہے اور نیکی میں کمزور لوگوں کو حقیر جانتا ہے اور ان پر عجیب و غریب جملے کسنے لگتا ہے۔ اعمال صالحہ سے دور لوگوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ جب کسی بندے کی نیکی میں تکبر اور غرور آجائے تو یہ نیکی اس کے لیے ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ نیکی میں تواضع اختیار کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ» ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند مقام عطا کر دیتا ہے۔“ (جامع الترمذی: 2029) یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اعتبار سے تواضع اختیار کرنا ضروری ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اس میں عاجزی ہونی چاہیے۔ اسی طرح بندوں کے ساتھ بھی اس کا معاملہ عاجزی والا ہونا چاہیے۔ ہر قسم کی بڑائی اللہ ہی کے لیے ہے۔ احادیث سے بھی ہمیں اس کی واضح رہنمائی ملتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ بڑی نیک ہے۔ فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کا بھی بڑا اہتمام کرتی ہے۔ نفلی روزے بھی بڑی کثرت سے رکھتی ہے۔ مگر اس میں ایک کمی ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بڑا تنگ کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ عورت جہنم میں جائے گی۔“ (مسند أحمد: 440/2) حدیث میں مذکور الفاظ: ”وہ اپنے پڑوسیوں کو بہت تکلیف دیتی ہے“ میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کی بنا پر پڑوسیوں کو تنقید کا نشانہ بناتی ہو اور انھیں حقیر سمجھتی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ عورت جہنم میں جائے گی۔ گویا ایسی نیکی جو تکبر پر مبنی ہو بندے کے لیے ہلاکت اور بربادی کا باعث ہے۔ بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا واقعہ احادیث میں منقول ہے جو آپس میں بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نیکیوں میں کوشاں رہتا جبکہ دوسرا گناہوں میں گرفتار تھا۔ نیک بھائی جب بھی بدکار بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اسے منع کرتا۔ ایک دن وہ کسی گناہ میں مبتلا تھا کہ نیک بھائی نے منع کیا۔ بدکار نے کہا: ”مجھے رہنے دے، میرا معاملہ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



میرے رب کے ساتھ ہے۔ کیا تو مجھ پر داروغہ بنا کر بھیجا گیا ہے؟'' نیک بھائی نے اس کے جواب میں کہا: ''اللہ کی قسم! اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب وہ دونوں فوت ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے نیک بھائی کو اس کے اس جملے کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا اور بدکار کو معاف کردیا۔'' (سنن أبي داود: 4901) گویا نیک بھائی نے اپنی نیکیوں کی بنا پر اپنے آپ کو جنتی تصور کرتے ہوئے کہا تھا: تیرے گناہوں کی وجہ سے اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا۔ یہی جملہ اس کو جہنم میں لے گیا۔ یہ صرف ایک جملہ نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے تکبر اور غرور کا عنصر کارفرما تھا جس کی بنا پر وہ اپنے دوسرے بھائی کو حقیر سمجھتا تھا۔ اسی تکبر میں آکر اس نے کہا کہ اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس نیکی میں تکبر آجائے وہ بندے کے لیے ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بندہ اپنے آپ کو تکبر سے بچا کر رکھے۔ بندہ جوں جوں نیکی کرے توں توں اس میں عاجزی پیدا ہونی چاہیے۔

خواہش کے مطابق کی ہوئی نیکی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو یہ ترغیب دلائی ہے کہ نیکی کا شوق اور جذبہ ان کے دل میں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حقیقی مسلمان نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ لیکن قابل غور پہلو یہ ہے کہ کچھ لوگ نیکی تو کر رہے ہوتے ہیں مگر وہ نیکی ان کے لیے ہلاکت کا باعث بن رہی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کا اختیار کردہ عمل فی نفسہ تو درست ہوتا ہے مگر اس کو کرنے کا طریقہ کار شرعی رہنمائی کی بجائے نیکی کرنے والے کی اپنی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسے لوگ نیک عمل کرنے کے لیے اپنے ہی انداز اپناتے ہیں۔ یہی روش ان کے اعمال کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ کچھ لوگ مسجد میں حلقہ بنا کر گٹھلیوں پر ذکر کر رہے تھے۔ اس حلقے کا امیر جو کچھ پڑھنے کا کہتا وہ سارے اسی کلمے کا ذکر کرنے لگ جاتے۔ اب ذکر کرنا فی نفسہ درست ہے، البتہ اس کا طریقہ کار درست نہیں تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جب ان کے بارے میں علم ہوا تو ان کے پاس گئے اور انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس کے بعد فرمانے لگے: ''تم لوگ ان گٹھلیوں پر جو سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کا ذکر کر رہے ہو، اس کے بجائے اگر (ان پر) اپنے گناہوں کو شمار کرو تو تمھارے لیے بہتر ہے۔ اس لیے کہ گناہوں کو شمار کرنے سے تمھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا لیکن اپنے زعم میں جو تم نیکی کر رہے ہو یہ نیکی تمھاری دوسری نیکیوں کو بھی ختم کردے گی۔'' (سنن الدارمي: 87/1) ایسے لوگ قیامت کے دن جب حوض کوثر پر آئیں گے تو نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں فرمائیں گے: ان لوگوں کو مجھ سے دور لے جاؤ کہ جنھوں نے میرے بعد میرے دین کو بگاڑ دیا۔ (صحیح البخاري: 6583) ان کے پاس نیکیاں تو ہوں گی لیکن انھوں نے وہ نیکیاں اپنی سوچ اور خواہش کے مطابق کی ہوں گی جو ان کے لیے ہلاکت کا باعث بن جائیں گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ جو بھی نیک کام کیا جائے اس کا طریقۂ ادائیگی شرع کے مطابق ہونا چاہیے، بصورت دیگر وہ نیکی اس آدمی کے لیے ہلاکت کا سبب ہوگی۔

تشہیری نیکیاں

عموماً ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ اپنی نیکیوں کی خوب تشہیر کرتے ہیں۔ خصوصاً رمضان المبارک میں یہ چیز بہت زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ لوگ باہم بتاتے پھر رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے اتنے قرآن پڑھے، ہم نے اتنی راتوں کا قیام کیا، ہم نے اتنی افطاریاں کرائیں وغیرہ۔ ایسی نیکیاں جن کی بندہ خود تشہیر کرے یا نیکی کرتے وقت اس کا مقصد یہی ہو تو یہ نیکیاں اس کے لیے باعث ہلاکت ہوں گی۔ تین آدمیوں کا مشہور قصہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے جس میں سخی، مجاہد اور قاری قرآن کا ذکر ہے۔ ان لوگوں نے یہ بڑے نیک کام لوگوں سے داد و تحسین وصول کرنے کے لیے کیے تھے، اس لیے یہ اعمال انھیں جہنم سے بچانے کی بجائے اسے بڑھکانے کا باعث بن گئے۔ روزقیامت سب سے پہلے انھی تین افراد کو سپردِ جہنم کیا جائے گا۔ اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ جو نیکی بھی کرے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے۔ اپنی نیکیوں کی تشہیر نہ کرے اور جب لوگوں کے سامنے نیکی کرے تو اس کا مقصود بھی اللہ کی خوشنودی ہو۔ وگرنہ یہ نیکیاں ہلاکت و بربادی کا باعث ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی ہلاکت و بربادی سے محفوظ فرمائے، آمین۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



سلسلہ قرآن میں مذکور مائیں

والدہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

طارق جاوید عارفی

فرشتوں کی آمد اور ولادت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

قرآن مجید نے ان لمحات کا بھی ذکر کیا ہے جب فرشتے کنواری مریم علیہا السلام کے پاس حاضر ہوئے اور انھیں بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ کنوارگی کی حالت میں بیٹے کی پیدائش کا سن کر وہ حیرت و استعجاب کا پیکر بن کر رہ گئیں۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر یوں کیا ہے: ”جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے، اس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں معزز اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ وہ لوگوں سے گہوارے میں بات کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا؟ فرمایا: اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے: ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل سکھائے گا۔ اور بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔“ (آل عمران 3:45-49)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ طور پر ولادت ہوئی۔ قرآن مجید نے اتنی صراحت کے ساتھ اس معجزانہ ولادت کا ذکر کیا ہے کہ کسی قسم کا کوئی شک و شبہ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



باقی نہیں رہتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے ایک جگہ میں الگ ہوئی جو مشرق کی جانب تھی۔ پھر اس نے ان کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اس کی طرف اپنا خاص فرشتہ بھیجا تو اس نے اس کے لیے پورے انسان کی شکل اختیار کی۔ مریم کہنے لگی: بلاشبہ میں تجھ سے رحمن کی پناہ چاہتی ہوں اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔ اس نے کہا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے نہ کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔ اس نے کہا: ایسے ہی ہے، تیرے رب نے کہا ہے، یہ میرے لیے آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے بہت بڑی نشانی اور اپنی طرف سے عظیم رحمت بنائیں اور یہ شروع سے ایک طے کیا ہوا کام ہے۔ چنانچہ وہ اس (لڑکے) کے ساتھ حاملہ ہوگئی تو اسے لے کر ایک دور جگہ میں الگ چلی گئی۔ پھر دردِ زہ اسے کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، وہ کہنے لگی: کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔ تو اس نے اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کر، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی جاری کردی ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گی۔ پس کھا اور پی اور ٹھنڈی آنکھ سے رہ، پھر اگر کبھی تو آدمیوں میں سے کسی کو دیکھے تو کہنا: میں نے تو رحمن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، لہٰذا آج میں ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لے آئی، انھوں نے کہا: اے مریم! یقیناً تو نے بہت انوکھا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں کوئی بدکار تھی۔ چنانچہ مریم نے اس کی طرف اشارہ کردیا، انھوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی تک گود میں بچہ ہے۔ اس نے کہا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بہت برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکاۃ کی خاص تاکید کی جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا۔ اور خاص سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوں گا اور جس دن زندہ ہوکر اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہے عیسیٰ ابن مریم، حق کی بات جس میں یہ شک کرتے ہیں۔'' (مریم 19:16-34)

مفسرین اور محدثین نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن یہ تمام تفصیل باوثوق ذرائع سے منقول نہیں ہے، ان میں کچھ اسرائیلی اور ضعیف روایات ہیں اور کچھ حقائق وہ ہیں جو بعض اہل علم سے مروی ہیں، ان اہل علم سے آگے ان کی سند نہیں ہے۔ صحیح اور مستند روایات کی روشنی میں متذکرہ قرآنی واقعے کی کس قدر تفصیل میسر ہے، ہم اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

عفت مآب سیدہ مریم علیہا السلام اپنے خلوت کدے میں مشغول عبادت رہتی تھیں اور ضروری حاجات کے علاوہ کبھی باہر نہیں نکلتی تھیں۔ ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہوں سے دور کسی ضرورت سے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھی تھیں کہ اچانک سیدنا جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں ظاہر ہوئے۔ سیدہ مریم علیہا السلام نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں، پھر دونوں کے درمیان وہ مکالمہ ہوا جن کا مذکورہ بالا آیات میں ذکر آیا ہے۔ اس مکالمے سے سیدہ مریم علیہا السلام مطمئن ہوگئیں تو سیدنا جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک دیا جس سے سیدہ مریم علیہا السلام حاملہ ہوگئیں۔

حمل کی مدت کتنی تھی؟

حاملہ ہونے کے بعد فطری تقاضے کے مطابق حمل کی مدت پوری کرنے کے دوران لوگوں کے طعن و ملامت سے بچنے کے لیے سیدہ مریم علیہا السلام بیت المقدس سے دور ایک مقام پر منتقل ہوگئیں۔ یہ کون سا مقام ہے؟ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے اس کے متعلق دو قول ذکر کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حمل قرار پانے کے بعد بنی اسرائیل کی بہتان طرازی کی وجہ سے بھاگ گئیں اور بھاگتے بھاگتے جب شام اور بلادِ مصر کے درمیان پہنچیں تو دردِ زہ شروع ہوگیا۔ دوسرا یہ کہ وہ بیت المقدس سے آٹھ میل دور بیت اللحم میں منتقل ہوگئیں اور وہیں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ تفسیر طبری میں آٹھ میل کی بجائے چھ میل کا ذکر ہے۔ (تفسیر الطبری: 83,82/16) وہب رحمہ اللہ کے اقوال اگرچہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں جن کی تصدیق کی جاسکتی ہے نہ تکذیب، لیکن اکثر علماء نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ حمل کے کتنا عرصہ بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی؟ اس بارے میں کوئی مستند اور ٹھوس

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



دلیل نہیں ہے سوائے اہل علم کی نکتہ آفرینیوں کے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بس حمل ہونے کی دیر تھی کہ اس کے ساتھ ہی ولادت ہوگئی۔ علامہ سیوطی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ کی نسبت سے ایک قول یہ بیان کیا ہے کہ مدت حمل آٹھ ماہ تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف نو گھنٹے حمل رہا۔ (الدرالمنثور: 497/5)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سورۂ مریم کی آیات: ﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ۔ اور فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ﴾ میں جو کلمہ "فا" آیا ہے۔ یہ "فا" عاطفہ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمل اور دردِ زہ کے درمیان ایک مہلت ضرور تھی۔ اس لیے بلاشبہ حمل اور دردِ زہ کے مابین ایک تھوڑی سی مدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدت ایک دن تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دورانیہ صرف تین گھنٹوں کا تھا۔ زیادہ مفسرین کا رجحان اسی طرف ہے تاکہ مریم علیہا السلام کا حمل دنیا کی تمام خواتین سے ممتاز ہوکر ان کے لیے عزت اور وقار کا ذریعہ بن جائے۔ (بدائع التفسیر: 136/3)

ہمارا موقف یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ سب کچھ مشکل نہیں مگر یہ بات کسی قابل اعتماد ذریعے سے منقول نہیں ہے۔ اور وحی الٰہی کے بغیر کسی واقعے کے متعلق سیکڑوں برس بعد اگر کوئی شخص سنی سنائی بات کرے، خواہ وہ کتنا عظیم ہو، وہ بات یقین کی ٹھنڈک نہیں پہنچا سکتی۔ اس لیے ظاہر یہی ہے کہ حمل کی عام مدت پوری ہوئی۔ متعدد مفسرین نے اس قول کی تائید کی ہے۔

دردِ زہ اور سیدہ مریم علیہا السلام کا قلق و اضطراب

سیدہ مریم علیہا السلام کو بیت اللحم پہنچنے کے بعد دردِ زہ شروع ہوا تو تکلیف و اضطراب کی حالت میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے تنے کے سہارے بیٹھ گئیں اور پیش آنے والے نازک حالات کا اندازہ کرکے انتہائی قلق اور پریشانی کی حالت میں کہنے لگیں: اے کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور کسی کو یاد ہی نہ ہوتا کہ کوئی مریم بھی تھی۔ علامہ ابن عربی رحمہ اللہ اپنا چشم دید واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: «فَرَأَيْتُ فِي مَعْبَدِهِمْ غَاراً عَلَيْهِ جِذْعٌ يَابِسٌ كَانَ رُهْبَانُهُمْ يَذْكُرُونَ أَنَّهُ جِذْعُ مَرْيَمَ بِإِجْمَاعٍ» "میں نے بیت اللحم میں 485ھ میں نصاریٰ کے معبد میں ایک غار دیکھا جہاں ایک سوکھا ہوا تنا تھا اور وہاں کے پادری بالاتفاق اسے "جذعِ مریم" قرار دیتے تھے۔" (أحكام القرآن: 56/2)

نیچے سے آواز کس نے دی؟

سیدہ مریم علیہا السلام آنے والے حالات کے متعلق سوچ کر اس قدر پریشان ہوئیں تو نخلستان کے نشیب سے کسی نے ان کو پکارا: "غم نہ کرو، تمھارے رب نے تمھارے نیچے ایک ندی جاری کردی ہے۔" سیدہ مریم علیہا السلام کو یہ آواز کس نے دی؟ اس کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ وہ سیدنا جبریل علیہ السلام تھے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نہیں تھے کیونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کلام کیا تھا جب ان کی والدہ انھیں اپنی قوم کے پاس لے گئیں تھیں، اس سے پہلے انھوں نے کلام نہیں کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آواز دینے والے خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ پہلے قول کا دارومدار سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس قول پر ہے کہ "یہ سیدنا جبریل تھے اور عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کے پاس آجانے سے پہلے کلام نہیں کیا۔" یہ روایت عوفی راوی کے طریق سے مروی ہے جو کہ ضعیف راوی ہے، لہٰذا یہ قول ثابت نہیں۔ نیز کئی اور مفسرین، مثلاً: سعید بن جبیر، ضحاک، عمرو بن میمون اور قتادہ وغیرہ نے بھی یہی موقف اپنایا ہے۔ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے دونوں گروہوں کے دلائل ذکر کرنے کے بعد دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ آواز دینے والے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اس کی انھوں نے تین وجوہ ذکر کی ہیں: ① اگر کوئی مانع نہ ہو تو ضمیر قریب ترین مرجع کی طرف لوٹتی ہے اور یہاں اس سے پہلے قریب ترین ذکر عیسیٰ علیہ السلام کا ہے، یعنی «فحملته فانتبذت به» "چنانچہ وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوگئیں تو اس کے ساتھ الگ ہوگئیں..." ہے۔ اور اگر جبریل علیہ السلام نے آواز دی ہوتی تو ان کا نام آنا چاہیے تھا۔ ② اس وقت سیدہ مریم علیہا السلام کا حوصلہ بڑھانے کی ضرورت تھی اور ظاہر ہے کہ سیدنا

سیدہ مریم علیہا السلام آنے والے حالات کے متعلق سوچ کر اس قدر پریشان ہوئیں تو نخلستان کے نشیب سے کسی نے ان کو پکارا: "غم نہ کرو، تمھارے رب نے تمھارے نیچے ایک ندی جاری کردی ہے۔"

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



عیسیٰ علیہ السلام کا اس وقت بولنا ایک معجزہ تھا جس سے سیدہ مریم علیہا السلام کو اطمینان حاصل ہوگیا۔ ③ قوم کے پاس جانے سے پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کرنے سے سیدہ مریم کو یقین ہوجائے کہ قوم کی ملامت کے وقت بھی یہ کلام کرکے ان کی تسلی کردیں گے۔ (تفسیر طبری: 505,504/15) اس سے بظاہر علامہ ابن جریر طبری کی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

سیدہ مریم علیہا السلام پر عنایاتِ ربانی

سیدہ مریم علیہا السلام کی اس قدر کٹھن آزمائش میں اللہ تعالیٰ نے ان کی بھرپور مدد فرمائی۔ ان کے بیٹے سے کلام کرا کر انھیں تسلی دی اور اس کے ساتھ تنہائی، بھوک، پیاس، ولادت کی تکلیف، ولادت کے بعد کی کمزوری اور بدنامی کے خوف میں سے ہر چیز کا معجزانہ طور پر علاج فرمادیا۔ انھیں حکم دیا کہ کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلائو، وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔ ایک کمزور خاتون جو ابھی ولادت کے جان شکن مرحلے سے نکلی ہو، کھجور کے تنے کو کس قدر حرکت دے سکتی ہے؟ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ کھجوروں کے پھل دینے کا موسم نہیں تھا۔ لیکن اگر کھجوروں کے پھل کا موسم مان بھی لیا جائے تو کوئی جوان اور مضبوط آدمی کھجور کا تنا ہلا کر دیکھ لے کہ کتنی کھجوریں گرتی ہیں؟ حقیقت یہی ہے جس اللہ نے ان کے بچپن میں انھیں بے موسم پھل سے نوازا، اسی اللہ نے محض تنے کی حرکت سے بطور غذا تازہ پکی کھجوروں کا اہتمام فرمادیا۔ مزید یہ کہ پینے کے لیے ان کے نیچے ندی جاری فرمادی۔ تنہائی اور پریشانی کے علاج کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک، خوبصورت اور عظیم المرتبت بیٹا عطا کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام عنایات عام عادت کے خلاف معجزانہ طور پر ہوئیں۔ رہی قوم کے پاس جانے کی صورت میں ان کی ملامت کا اندیشہ تو اس کا حل یہ بتایا کہ اگر کسی بھی وقت کوئی آدمی دیکھو تو اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، بس اشارے سے کہہ دو کہ میں نے رحمن کی خاطر روزے کی نذر مانی ہے، اس لیے میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

سیدہ مریم علیہا السلام کی قوم میں آمد

شیرخوارگی میں اپنے بیٹے کی بات سن کر اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کرامات دیکھ کر سیدہ مریم علیہا السلام کو اطمینان ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل نہیں ہونے دے گا، چنانچہ نفاس کے دن گزرنے اور طبیعت بحال ہونے کے بعد بغیر کسی جھجک کے وہ اپنے بیٹے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آگئیں۔ قوم نے کنواری مریم کی گود میں بچے کو دیکھا تو سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے یوں شدید اعتراض کیا: ”اے مریم! تم نے تو بہت انوکھا کام کیا ہے؟“ اے ہارون کی بہن! اور ایسے باپ کی بیٹی جو کسی طرح برا نہ تھا اور ایسی ماں کی بیٹی جس میں بدکاری کی کوئی خصلت نہ تھی تم نے یہ کیا گل کھلا دیا؟

ہارون کون تھے؟

بنی اسرائیل نے سیدہ مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہا۔ یہ ہارون کون تھے؟ علمائے اسلام نے اس کی مختلف وضاحتیں کی ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ ہارون، مریم علیہا السلام کے خاندان میں ایک عابد و زاہد انسان اور بہت نیک نفس مشہور تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ انھیں عربی محاورے کے مطابق اختِ ہارون کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے: ہارون کے خاندان کی لڑکی۔ عربی میں یہ ایک معروف طرزِ بیان ہے، مثلاً: قبیلۂ مضر کے آدمی کو «یَااَخَا مُضَرَ» ”اے مضر کے بھائی! اور قبیلۂ ہمدان کے آدمی کو یَا أَخَا هَمْدَانَ ”اے ہمدان کے بھائی“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ہارون کی بہن کہنے سے مراد ہارون علیہ السلام جیسی نیک اور صالح خاتون مراد ہے۔ مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سامنے آنے کے بعد یہ سب تاویلات محض تکلف محسوس ہوتی ہیں۔ درست یہی لگتا ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام کے بھائی کا نام ہارون تھا جو اپنی نیکی اور شرافت میں مشہور تھا۔ آیاتِ قرآنی میں اسی کا ذکر ہے۔ یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد بھی عمران تھے اور سیدہ مریم اور ان کے بھائی ہارون کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ سیدہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران بھیجا تو وہاں کے عیسائیوں نے مجھ سے کہا: یہ بتائو کہ تم جو پڑھتے ہو: یا أخت هٰرون ”اے ہارون کی بہن!“ جبکہ موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی مدت پہلے گزر چکے ہیں۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ واپس آکر انھوں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: ”تم نے انھیں یہ کیوں نہ بتایا کہ وہ لوگ اپنے سے پہلے انبیاء اور صالحین کے ناموں پر (اپنے بچوں کے) نام رکھتے تھے۔“ (صحیح مسلم: 2135، جامع الترمذی: 3255) یعنی

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



مریم علیہا السلام کے بھائی کا نام ہارون، موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔

قوم کے اعتراضات اور سیدہ مریم علیہا السلام کی خاموشی

سیدہ مریم علیہا السلام نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا تھا، اس لیے انھوں نے اپنی پاکدامنی کی شہادت کے لیے کچھ کہنے کی بجائے اپنے لختِ جگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کردیا۔ قوم کو مزید حیرانگی ہوئی کہ گود کے شیرخوار بچے سے ہم کیسے کلام کریں۔ انھوں نے سمجھا کہ مریم علیہا السلام ان سے مذاق کررہی ہیں۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ لڑکے (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرف اشارہ سے مراد یہ تھی کہ اس سے بات کرلو۔ وہ کہنے لگے: ایک تو تم نے اس قدر شرمناک کام کیا ہے اور دوسرا ازراہِ مذاق ہم سے یہ کہتی ہو کہ اس بچے سے بات کرلو جو ابھی گود میں ہے۔ (فتح الباری: 440/9) چنانچہ قوم کے لوگ ناراض ہوگئے۔ اتنے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پکار اٹھے: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں....'' (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا کلام شروع میں دی گئی آیات میں ملاحظہ کرلیں) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کا ثبوت جب ان کے گہوارے میں معجزانہ کلام سے انھیں مل گیا تو ایک محیرالعقول عظیم شخصیت کے بارے میں انھیں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا، چنانچہ انھوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کی عفت وپاکدامنی کو تسلیم کرلیا۔

سیدہ مریم علیہا السلام عفیفۂ کائنات اور عظیم روحانی شخصیت

قرآن مجید نے سیدہ مریم علیہا السلام کا تذکرہ عفیفہ، پاکباز اور عفت وعصمت کی محافظ کے طور پر کیا ہے۔ یہود اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے ان پر جو زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے بہتان عظیم کے مرتکب ہوئے، قرآن مجید نے اس کی واضح تردید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''وہ عورت جس نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لیے عظیم نشانی بنادیا۔'' (الأنبیاء 91:21) دوسرے مقام پر یہود کے بہتان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ ''اور ان کے کفر کی وجہ سے اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے (ہم نے ان پر لعنت کی۔)'' (النسآء 156:4)

قرآن کریم نے ایک اور مقام پر سیدہ مریم علیہا السلام کا کردار ایک عظیم روحانی شخصیت کی صفاتِ حسنہ سے آراستہ ومزین پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم (کی مثال ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔'' (التحریم 12:66)

سیدہ مریم علیہا السلام کے قصے سے ماخوذ احکام واسباق کا ذکر آیندہ شمارے میں کریں گے۔ ان شاء اللہ!

علامہ قاری عبدالخالق رحمانی رحمہ اللہ

کی سوانح عمری پر خصوصی نمبر

جامعہ بحرالعلوم السلفیہ میرپور خاص سندھ کا ترجمان مجلّہ بحرالعلوم اس بار جماعت اہلحدیث کی عظیم شخصیت فضیلۃ الشیخ علامہ قاری عبدالخالق رحمانی رحمہ اللہ کی شخصیت پر اپریل 2015ء میں ایک ضخیم نمبر شائع کررہا ہے۔

تمام اہل قلم سے گزارش ہے کہ قاری صاحب کی شخصیت پر مضامین تحریر فرما کر ارسال فرمائیں۔

برائے رابطہ: شیخ الحدیث مولانا افتخار احمد ازہری

جامعہ بحرالعلوم السلفیہ میرپور خاص سندھ رابطہ نمبر: 0332-2819002

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



ناموس رسالت کے محافظ کھلاڑی بچے

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بحرین والوں کے بچے باہر نکل کر صوالجہ (ہاکی جیسا کھیل) کھیل رہے تھے اور بحرین کا بڑا پادری بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک گیند اس کے سینے پر جا لگا تو اس نے اسے پکڑ لیا۔ بچے پادری سے گیند مانگنے لگے، لیکن پادری نے نہ صرف یہ کہ گیند دینے سے انکار کر دیا الٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کر ڈالی۔ جونہی اس نے ناموسِ رسالت پر حملہ کیا سارے بچے مل کر اپنی کھیل والی لاٹھیوں کے ساتھ اس پر پل پڑے اور اس کو مسلسل پیٹتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ یہ قضیہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا تو اللہ کی قسم، آپ فتح یا مالِ غنیمت سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے بچوں کے اس بشپ کو قتل کرنے پر مسرور ہوئے۔ آپ نے فرمایا: «الآنَ عَزَّ الإِسْلَامُ، إِنَّ أَطْفَالًا صِغَارًا شُتِمَ نَبِيُّهُمْ، فَغَضِبُوا لَهُ وَانْتَصَرُوا» ''آج اللہ نے اسلام کو اتنی عزت دی ہے کہ بچے اپنے نبی کی گستاخی پر غضبناک ہو گئے اور انھوں نے اس گستاخ کو ٹھکانے لگا دیا۔'' (ربیع الأبرار للزمخشری: 403/1 و المستطرف فی کل فن مستظرف: 462/1)

کیا آپ کو پتہ ہے

* پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ، کا نعرہ سیالکوٹ کے باشندے پروفیسر اصغر سودائی کی تخلیق ہے۔
* قیام پاکستان سے قبل ہی پاکستان کا نام دنیا کی مشہور کتاب ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' میں آ گیا تھا۔
* 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے بانی پاکستان محمد علی جناح نے کہا تھا: ''میں ہندو مسلم اتحاد کا زبردست مبلغ رہا ہوں، لیکن سالہا سال کے تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ہندو مسلم اتحاد ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ اسی لیے ہم اپنی الگ حکومت قائم کرنے کے لیے پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں تاکہ ہم اپنی تہذیب و ثقافت کے مطابق اپنے گھر کا انتظام کرنے کے لیے آزاد ہوں۔
* 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں قراردادِ پاکستان وزیر اعلیٰ بنگال مولانا ابوالقاسم فضل الحق نے پیش کی تھی۔
* تحریک پاکستان کے پہلے شہید طالب علم اسلامیہ کالج لاہور کے عبدالمالک تھے۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

بڑوں کا ادب

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک بار وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سمیت دیگر صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ بات چیت ہورہی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اس درخت کا نام بتاؤ جس کی مثال مسلمان کی سی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے اور اس کے پتے نہیں جھڑتے، یعنی اس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ (گویا یہ ایک طرح کی پہیلی تھی جو رسولِ کریم ﷺ نے بوجھنے کے لیے ارشاد فرمائی تھی۔)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے۔ لیکن میں نے کہنا پسند نہ کیا کیونکہ مجلس میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے اکابر موجود تھے۔ میں ان کے ادب کی وجہ سے خاموش رہا۔ جب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ نے جواب نہ دیا تو نبی کریم ﷺ نے خود ہی وضاحت فرمادی کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ مجلس برخاست ہوئی اور میں اپنے والد گرامی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا، راستے میں مَیں نے ان سے کہا: ابا جان! آپ ﷺ کا سوال سن کر میرے دل میں آیا تھا کہ میں عرض کردوں: وہ کھجور کا درخت ہے (لیکن میں خاموش رہا۔) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ وہاں یہ جواب کیوں نہ دیا؟ اگر تم اس مجلس میں یہ جواب دے دیتے تو مجھے بہت زیادہ مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کی: ابا جان! جب میں نے آپ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما جیسے بزرگوں کو خاموش دیکھا تو مجھے جواب دینا اچھا نہ لگا۔(صحيح البخاري: 6144)

اندازہ کیجیے کہ صحابہ کرام بڑوں کا کس قدر احترام کیا کرتے تھے۔ لہٰذا جب بڑے آپس میں بات چیت کررہے ہوں تو ان کی گفتگو نہایت ادب واحترام سے سننی چاہیے۔ بڑوں کا ادب کرنے والوں کو سب لوگ بڑا مؤدب اور سعادت مند سمجھتے ہیں۔

واہ واہ اے حارثہ رضی اللہ عنہ!

سیدنا حارثہ بن سُراقہ انصاری رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کے ایک پیارے صحابی تھے۔ وہ ابھی چھوٹے تھے کہ ان کے والد فوت ہوگئے۔ حارثہ کی والدہ سیدہ رُبیِّع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے اپنے اکلوتے بیٹے حارثہ کی پرورش بڑی توجہ اور محبت سے کی۔ سیدہ ربیع بڑی نیک اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سیدہ ربیع اور ان کے بیٹے حارثہ دونوں مسلمان ہوگئے۔ سیدنا حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنی والدہ سے بڑی محبت تھی اور وہ ہمیشہ ان کا کہنا مانتے تھے۔ ان کی والدہ بھی ان سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں۔ ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر پیش آیا تو سیدنا حارثہ رضی اللہ عنہ بھی گھوڑے پر سوار ہوکر رسولِ کریم ﷺ کے ہمراہ لڑائی کے لیے میدانِ بدر پہنچ گئے۔ وہیں ایک حوض کے کنارے پانی لینے کھڑے تھے کہ ایک مشرک حبان بن عرقہ نے ان کی طرف تیر چلایا جو ان کے گلے میں لگا اور وہ شہید ہوگئے۔ سیدنا حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ان کی والدہ کو ملی تو ان کو سخت صدمہ پہنچا۔ جب نبی کریم ﷺ بدر سے واپس مدینہ تشریف لائے تو سیدنا حارثہ کی والدہ ربیع رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ خوب جانتے ہیں کہ حارثہ سے مجھے کتنا پیار تھا۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر وہ کسی اور جگہ ہے تو آپ دیکھیں میں کیا کرتی ہوں۔ (ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ دوزخ میں ہے تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کے غم میں اپنا کیا حال کرتی ہوں۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تجھ پر رحم کرے! کیا تو دیوانی ہوگئی ہے؟ کیا وہ صرف ایک ہی جنت ہے۔ وہ تو کئی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا جنت الفردوس میں ہے۔'' (صحيح البخاري: 3982) یہ سن کر ان کا سارا غم جاتا رہا اور وہ ہنستے ہوئے فرمانے لگیں: بَخٍ بَخٍ لَكَ يَا حَارِثَةُ ''واہ واہ اے حارثہ!'' (اسد الغابة: 225/1)

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

علم کی فضیلت و تدبر



جمیل احمد اعوان

علم تمام شرافتوں کا سردار اور بہترین ملکیت ہے۔ علم ہی غذائے روح اور حیات جاوید کا سبب ہے۔ علم ایسی چیز ہے جس کی فضیلت سے کسی کو انکار نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”آپ فرمادیجیے! کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم والے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے۔“ (الزمر 9:39) یعنی عالم کو جاہل سے کوئی نسبت نہیں۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ ”اللہ نے گواہی دی ہے کہ یقیناً کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، اس حال میں کہ وہ انصاف ہے۔“ (آل عمران 18:3)

گویا یہاں اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم کی گواہی کا ایک ہی درجہ قرار دیا گیا ہے۔ پھر جناب ختمی مرتبت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہیں: ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ ”میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔“ (طٰہٰ 114:20) معلوم ہوا کہ سوائے علم کے کوئی اور چیز شریف تر اور نفیس ہوتی تو عالم الغیب اپنے محبوب کو اس شے کی طلب کی ہدایت فرماتا۔ پس ثابت ہوا کہ ذاتِ مصطفوی ﷺ کے شایان شان بجز علم کے کوئی دوسری چیز نہ تھی اور اس سے زیادہ رفعتِ علم اور کیا ہو سکتی ہے کہ نبی ﷺ خود ارشاد فرمائیں: «طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ» ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: 224) علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ جاہل اور بے علم عابد کے کام سنورتے کم ہیں اور بگڑتے زیادہ ہیں۔

کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ ﷺ میں تمام تر علوم مخفی ہیں، علمی میدانِ جنگ ہو، معاشیات ہو، سیاسیات ہو، ریاضیات ہو، اقتصادیات ہو، علم

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



اجرام فلکی ہو، اسلحہ کا علم ہو، درس و تدریس کے بارے میں ہو، دنیاوی امور و انتظام ہو، حکومت و حکمرانی کے بارے میں ہو، سفری کاروبار ہو، تجارتِ عامہ ہو، علم طب ہو، عدلیہ و مقننہ ہو، وحی و الہام اور رؤیا ہو غرضیکہ کوئی ایسا علم نہیں جو اللہ نے واضح نہ کیا ہو۔

معزز قارئین! علم وہی ہے جو قرآنی و شرعی ہے جو ارکان کے بارے میں ہے اس میں ہر شے آجائے گی، سائنس و ٹیکنالوجی اور دینی و دنیوی سب علوم اس میں ہیں۔

دینی و دنیوی علم کا ارتباط

دینی علم کے بغیر دنیاوی علم ادھورا رہتا ہے اور دنیاوی علم کے بغیر دینی علم کی تشنگی پوری نہیں ہوتی۔ یہ دونوں باہم مربوط ہوجاتے ہیں۔ غیر مسلم محققین نے دینی علم حاصل کرنے کے بعد دنیاوی علم کی جستجو کی اور وہ پکار اٹھے... واہ! کیا بات ہے دین فطرت (اسلام) کی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بلی کے جوٹھے کو ایک مرتبہ دھوؤ مگر) کتے کے جوٹھے کو سات بار دھوؤ... اور ایک بار مٹی سے دھوؤ۔

(صحیح مسلم: 279)

ایک محقق انگریز اس کی جستجو میں کھویا کہ آخر کیا وجہ ہے بلی بھی جانور اور کتا بھی جانور... مگر محمد ﷺ نے کتے کے جوٹھے کو سات بار کا حکم کیوں دیا تو اس نے ایک تنگ گردن والا برتن لیا اور اس میں دودھ ڈال کر بلی کو چٹایا پھر خوردبین سے برتن میں دیکھا جس میں اسے کچھ جراثیم نظر آئے۔ اس نے برتن صاف کیا اور خوردبین سے دیکھا تو برتن صاف تھا۔ پھر اس نے اس صاف برتن میں مزید دودھ ڈال کر ایک کتے کو چٹایا اور خوردبین لگائی... دیکھا تو برتن کے گلے تک جراثیم ہی جراثیم تھے۔ اس نے ایک بار دھویا۔ پھر خوردبین لگائی تو دیکھا کہ تقریباً 20 فیصد جراثیم کم ہوئے، دوبارہ پھر دھویا تو ۴۰ فیصد جراثیم کم ہوگئے حتیٰ کہ وہ بار بار دھوتا، خوردبین سے دیکھتا۔ چھٹی بار اس نے دیکھا کہ تھوڑے سے جراثیم پیندے میں بچے ہیں۔ آخری بار اس نے مٹی سے خوب صاف کرکے دھویا تو برتن میں کوئی جراثیم نہ تھا۔ ریسرچ نے ثابت کیا کہ کتے کے جراثیم پانی سے نہیں مرتے اور وہ محقق پکار اٹھا:

«O Muhammad! you told truth»

''اے محمد ﷺ آپ نے سچ فرمایا۔'' آپ نے دیکھا کہ دینی و دنیوی دونوں علوم باہم مربوط ہوگئے۔ بعینہٖ دین کے باقی علوم (حکمتوں) کو پرکھیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہی علم ہمیں دنیاوی علم و عمل کی طرف رسائی دیتا ہے۔ تو پھر زیادہ مغز سوزی اور غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآن کا تو عام اعلان ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''اور تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنادیا ہے، پس ہے کوئی جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟'' (القمر 22:54)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» ''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔'' (صحیح البخاری: 5027) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علوم سکھائے جنھیں وہ نہیں جانتا تھا۔'' (العلق 5:96) ڈیڑھ ہزار سال سے یہ آیت پڑھی جارہی ہے۔ یہ ماضی، حال، مستقبل سب زمانوں کے علوم کو محیط ہے اور قیامت تک آنے والے علوم اس کے احاطہ میں آگئے... اللہ اکبر کبیرا۔

جس زمانے کا بھی ارتقائے علم آپ نے پایا یہ آیت اس پر منطبق ہونے کی گواہ رہے گی۔ گویا انسان عطاو آگاہی سے علوم پر دسترس حاصل کرتا جائے گا۔ قرآن و حدیث میں ہر اس علم کی حوصلہ افزائی پائی جاتی ہے جس سے انسانیت اور دیگر مخلوق کو فائدہ پہنچے۔ غیر مسلم اقوام نے اسی منبع علم میں غوروفکر کیا اور تاحال کررہے ہیں اور آج ٹیکنالوجی میں مسلمانوں کی نسبت عروج پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيبُ﴾ ''غوروفکر وہی کرتا ہے جو (قرآن) کی طرف رجوع کرتا ہے۔'' (المؤمن 13:40) یعنی غوروفکر، تدبر اور جستجو ہی نہ ہو تو ایسے شخص کو خاک کچھ حاصل ہوگا۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ ''کیا یہ لوگ قرآن میں غوروفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔'' (محمد 24:47) گویا عرش والا آواز دے رہا ہے کہ ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے کوئی راہرو منزل ہی نہیں

دورِ حاضر کی ٹیکنالوجی ضروری ہے

قارئین محترم! دین نئے نئے علوم حاصل کرنے سے قطعاً منع نہیں کرتا۔ ماضی بعید میں تیروتفنگ اور ہاتھی گھوڑوں سے جنگیں ہوتی تھیں۔ آج راکٹ، میزائل اور ایٹم بم کا زمانہ ہے۔ دشمن

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



تین تین ہزار کلومیٹر سے اور بلند فضاؤں سے راکٹ برساتا ہے اور ہم کہیں کہ نہیں جی، ہم تو تیر کمان سے آگے نہیں بڑھیں گے تو یہ دیوانے کا خواب ہے۔ دشمن سے مقابلے کے لیے اس سے بڑھ کر تیار رہنا ہوگا۔ دین بھلا ایسے حالات میں کیوں منع کرے گا۔ وہ تو حکم دے رہا ہے: ''اور ان کے (مقابلے کے) لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو جتنی کرسکو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو ڈرائو گے۔'' (الأنفال 60:8) دھاک اسی صورت میں بیٹھے گی کہ جدید اسلحہ تیار کریں۔ اس آیت کی روشنی میں آج کی ٹیکنالوجی کے مطابق ہمیں سامان حرب (راکٹ، میزائل، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں وغیرہ) رکھنے پڑیں گے، اب تیر تفنگ کا زمانہ نہیں۔

عمل سے پہلے علم

عمل سے قبل علم حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے، کیونکہ علم کو عمل کے ساتھ وہی نسبت ہے جو سر کو تن کے ساتھ۔ جو عمل بغیر علم کے ہو اسے بیمار جانو اور جو علم بغیر عمل کے ہو اسے بیکار جانو۔ بہترین عبادت علم کی جستجو کرنا ہے اور اس کے بعد علم پر عمل کرنا اور علم کی اشاعت و تبلیغ کرنا۔ علم بغیر عمل کے ایسے ہے جیسے سوئیوں کے بغیر گھڑی۔ وہ گھڑی چلی بھی تو کیا نہ چلی تو کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت کسی ادنیٰ شخص پر۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ اس پر اپنی رحمت کرتا ہے اور اس کے فرشتے اور اہل آسمان حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بل میں اور مچھلیاں پانی میں اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔'' (جامع الترمذی: 2685)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں سو رہا تھا۔ اسی حالت میں مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا۔ میں نے اچھی طرح پی لیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ تراوٹ میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر رضی اللہ عنہ کو دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر لی؟ فرمایا: ''علم'' (صحیح البخاری: 82/1) گویا یہ ایسی اہم چیز ہے جو بذریعہ خواب (وحی) بتائی گئی۔ یہ بات یاد رکھیں کہ جو شخص فقط شہرت، مرتبہ، عزت و فخر حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرے وہ جس قدر علم حاصل کرے گا، اللہ سے دور ہوتا جائے گا۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حیا اور تکبر کرنے والا علم حاصل نہیں کرسکتا۔'' (صحیح البخاری، قبل الحدیث:130) حیا کی وجہ سے ہچکچاہٹ کے باعث استادوں اور عالموں سے سوال نہیں کرے گا اور تکبر اللہ کو پسند نہیں۔ اس کی سوچ ایک احساسِ برتری کے تحت رہے گی کہ میں اتنا بڑا، خاندانی، امیر کا بیٹا ہوکر سوال پوچھتا پھروں؟ یہ علم مجھے کیا دے گا۔

ایمان و علم سے معرفت الٰہی

قارئین کرام! ایمان و علم میں ایک زبردست رابطہ ہے۔ ایمان کے بعد دوسری اہم چیز علم ہے جس کا خزانہ قرآن و حدیث ہے اس لیے سورۂ مجادلہ میں فرمایا: ''جو تم میں ایماندار ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجات بلند کرے گا اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔'' (المجادلہ 11:58)

قرآن و حدیث کے علم کو محنت، کوشش، شوق اور لگن سے حاصل کرتے جایئے اور پھیلاتے جایئے، اسے ضائع نہ کیجیے، ملک و قوم کو فائدہ دیجیے۔ ہمارے وطن کو بڑی ضرورت ہے۔ علم کو کمرشل نیت سے نہ سیکھیے بلکہ اس کی تڑپ اور طلب حصول میں مخلص ہوجایئے۔ جو علم سیکھنے میں مخلص ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جسمانی توانائی بڑھا دیتا ہے جس سے تحصیل علم میں تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے کے لیے طویل سفر اور تکلیف کی پروانہ کی اور فرمایا: صدیاں بھی گزر جائیں تو علم حاصل کیے بغیر نہ ہٹوں گا۔ کچھ مدت بعد فرمایا: اس سفر میں ہم نے بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔ (مگر موسیٰ اور ان کے شاگرد یوشع بن نون علیہما السلام کو اللہ نے کتنی ہمت عطا کی کہ انھیں تھکاوٹ کی پروانہ ہوئی)۔

اہل علم کی شان میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ» ''جو شخص علم کے حصول کے لیے (شوق و تڑپ سے) سفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردیتا ہے۔'' (جامع الترمذی: 2646) اللہ تعالیٰ علم نافع کے حصول کے شوق اور پھر اسے لوگوں تک پھیلانے کی توفیق دے، آمین!

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



سفاک بشار

اور طاغوتی طاقتوں کا منافقانہ کردار

ابوضرار ملک

شام کے نصیری حکمران سفاک بشار کے خلاف جب مارچ 2011ء کو پُرامن مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا تو حکومتی فورسز کی جانب سے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے، حتی کہ پُرامن مظاہرین پر ٹینکوں سے چڑھائی کر دی گئی۔ اس دوران میں مسلمان مرد و خواتین اور بچوں کو بغیر کسی جواز کے جیلوں میں ڈال دیا گیا، جہاں ظلم وجبر کی ایک نئی داستان رقم ہو رہی ہے۔ جیل میں مسلمان قیدیوں کے ناخن اکھیڑے اور نازک اعضاء سگریٹ سے داغے جا رہے ہیں۔ جبکہ ان کی پنڈلیوں میں گولیاں اور جسم میں ڈرلنگ کی جا رہی ہے۔ آنکھیں نکالنا، زندہ جلانا اور زندہ ہی دفن کر دینا معمول بن چکا ہے، جبکہ عزت مآب خواتین کی بے حرمتی جیسے قبیح فعل کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ مساجد کو مسمار کرنا، قرآن کا جلانا اور گھروں کو لوٹنا بھی معمول بن چکا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ان تمام ابلیسی ہتھکنڈوں کا شکار زیادہ تر مسلمان خواتین اور معصوم بچے ہیں۔ کویتی جریدے ''الفرقان'' نے بھی ان مظالم کی تصدیق کی ہے۔

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



اس تحریر کے ذریعے محترم قارئین کی توجہ سفاک بشار کے اس ظلم کی طرف مبذول کرانے کی ایک ادنیٰ کاوش ہے جس نے ناگاساکی اور ہیروشیما میں امریکہ کی طرف سے کی گئی وحشیانہ بمباری کی یاد تازہ کردی ہے۔ ان سطور کو رقم کرتے ہوئے بھی ہم ظلم وبربریت کی خبریں سن رہے ہیں کہ سفاک بشار ابھی تک نہتے اور بے گناہ مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہا ہے اور دنیا کے اسلام دشمن چوہدری (امریکہ، روس، برطانیہ، چین اور روس) اس کو روکنے میں بالکل سنجیدہ نہیں ہیں۔ کیونکہ ہلاک ہونے والے صلیبی، ملعون یہودی یا پھر مشرک ہندو نہیں بلکہ محمد ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے اہل توحید ہیں۔ نصیری فورسز کی جانب سے الغوطہ پر ہونے والے کیمیائی گیس کے حملہ پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون بھی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے: ''یہ 21 ویں صدی (مہذب کہلانے والے افراد کا جدید معاشرہ) کا بدترین واقعہ ہے۔''

جب نصیری فورسز گولیوں، بموں، ٹینکوں اور ظالمانہ ہتھکنڈوں سے نہتے اور بے گناہ شامی مسلمانوں کا وحشیانہ قتل عام کرکے تھک ہار گئیں تو ان ملعونوں نے 21 اگست 2013ء بروز بدھ نماز فجر کے وقت پیغمبروں کی سرزمین (شام) کے دارالحکومت دمشق کے نواحی علاقے الغوطہ پر کیمیائی سیرین گیس سے بھرے ہوئے زمین سے زمین پر فائر کیے جانے والے راکٹوں کے ذریعے حملہ کر دیا۔ جس سے اچانک ننھے فرشتوں کے جسم نیلے پڑنا شروع ہوگئے اور ان کے مونہوں سے جھاگ نکلنے لگی۔ جب ماؤں نے اپنے جگر گوشوں کو سخت اذیت میں تڑپتے دیکھا تو ان معصوموں کو بچانے کی کوششوں میں ان کی پاکیزہ روحیں بھی پرواز کر گئیں۔ جب صبح طلوع ہوئی تو یہ بدقسمت علاقہ عجیب ہی منظر پیش کر رہا تھا۔ گلیوں اور سڑکوں پر بڑی تعداد میں نہتے اور بے گناہ مسلمان گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے آپ کو بچانے کی ناکام کوششیں کر رہے تھے۔ کیمیائی گیس کے اثرات سے اپاہج ہونے والے جسموں کو وہ کتنی دور تک لے جا سکتے تھے، وہ کچھ دیر اسی کیفیت میں رہتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بے بسی ولاچاری کی موت مر جاتے۔ کیمیائی گیس کے انتہائی مہلک اثرات کے خوف سے ان بے گناہوں کے قریب جانے کی کوئی ہمت نہیں کر پا رہا تھا کیونکہ اس سے قبل چند امدادی کارکنوں نے متاثرین تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ان میں بھی اکثر مارے گے۔ سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کی گئی ڈھائی منٹ کی ویڈیو میں زہریلی گیس سے متاثرہ بچے، خواتین اور نوجوان سسک سسک کر اسی حال میں اپنی جانیں اللہ کے سپرد کر رہے ہیں کہ تڑپتے ہوئے ان کے مونہوں سے آواز بھی نہیں نکل پا رہی۔ یہ ویڈیو دیکھ کر کوئی بھی شخص اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا اور اس پر ایک دفعہ سکتہ ضرور طاری ہو جاتا ہے۔

اس سفاکانہ حملے کا سب سے اندوہناک پہلو یہ ہے کہ نصیری فورسز کی جانب سے استعمال ہونے والی کیمیائی سیرین گیس کے تباہ کن اثرات نئی نسل پر ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ خیال رہے کہ بدترین مسلم کش کیمیائی حملے میں کم از کم 1400 مسلمان شہید ہوئے، جن میں اکثریت خواتین اور معصوم بچوں کی تھی، جبکہ ۱۰ ہزار کے قریب زخمی ہوئے۔ عرب صحافتی ذرائع کے مطابق اس دہشت گردانہ حملے سے مختلف متاثرہ علاقوں میں مسلمان خواتین کے ہاں بعض ایسے بچے جنم لے رہے ہیں جو عجیب الخلقت اور ناقص الاعضاء ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسانیت کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں پیدا ہونے والے کئی بچے ریڑھ کی ہڈی سے محروم ہیں جبکہ بعض بچوں کا سر دیگر نومولود بچوں سے کئی گنا بڑا اور بعض کا بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی دوران کچھ بچے کھوپڑی کی ہڈی کے بغیر ہی پیدا ہوئے۔ اسی طرح مقامی ہسپتال میں ایک ایسے بچے کی پیدائش ہوئی جس کے جسم پر کھال نہیں تھی اور ایک پیدا ہونے والا مردہ بچہ جس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھی۔ بعض خواتین بچوں کی بجائے گوشت کے لوتھڑوں کو جنم دے رہی ہیں۔ اسی طرح دمشق کے علاقے معضمیہ میں گزشتہ دو ماہ کے دوران پانچ ایسے بچوں کی پیدائش ہوئی ہے جن کا جسم تمام معذوریوں کا مجموعہ تھا۔ طبی ماہرین تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان معذور اور اپاہج پیدا ہونے والے بچوں کے والدین کیمیائی سیرین گیس کے حملے سے متاثر ہوئے تھے۔

اچنبھے کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ ہولناک حملے سے قبل اور اس کے بعد بھی بشار حکومت کی جانب سے نہتے اور بے گناہ شہریوں پر کیمیائی حملوں کا سلسلہ تھما نہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق دمشق کے علاوہ شام کے صوبہ ادلیب، حلب اور اسلام پسندوں کا گڑھ سمجھے جانے والے صوبہ ''حمص'' میں نصیری فورسز نے محدود مقدار میں زہریلا

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



کیمیائی مواد استعمال کیا، جہاں کیمیائی ہتھیاروں سے متاثر ہونے والے معصوم فرشتوں کی ایک بڑی تعداد ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ماہرین نے کیمیائی ہتھیاروں سے متاثر ہونے والے 211 افراد پر تحقیق کی۔ تحقیق کے بعد ماہرین کی متفقہ رائے تھی کہ بشار حکومت کی جانب سے استعمال شدہ مہلک سیرین گیس کے اثرات کا مستقبل قریب میں خاتمہ ناممکن ہے۔ خیال رہے کہ بشار حکومت نے 2012ء کے اوائل میں ہی کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال شروع کر دیا تھا، تاہم بشارالاسد کی حکومت شروع شروع میں تو کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کی نفی کرتی رہی لیکن جب اکتوبر ۲۰۱۲ء میں ایک آزاد تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا تو اس نے اپنے اور مختلف آزاد ذرائع سے بھی کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے ان گنت شواہد اکٹھے کیے۔ بشار الاسد حکومت ان ثبوتوں کو جھٹلا نہ سکی اور اس نے فوراً روایتی مکاری و عیاری سے پینترا بدل کر اس گھناؤنے شیطانی فعل کا الزام اسلام پسندوں پر لگا دیا، لیکن بشار الاسد اور اس کے حلیفوں کو اچھی طرح جاننے والوں نے حکومتی مؤقف کو سختی کے ساتھ رد کر دیا تھا۔ کیونکہ اقوام متحدہ کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ سیرین گیس کے ساتھ یہ راکٹ حملے ایک ایسے علاقے سے کیے گئے تھے جہاں شامی حکومت کی فورسز کے ملٹری بیس ہیں اور یہ پانچ جگہوں پر بڑے پیمانے پر استعمال ہوئے ہیں۔ جبکہ اس وقت کے فرانسیسی وزیر خارجہ لورنٹ فیبیوس نے بھی یہ تسلیم کیا تھا کہ ”اس ہولناک کیمیائی حملے میں بشار کی حکومتی فورسز ملوث ہیں۔“ حتیٰ کہ جرمن انٹیلی جنس نے بھی ایک ایسی کال ٹریس کی جس میں ایرانی سفیر اور حزب اللہ کے کمانڈر کے درمیان ہونے والے مکالمے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس حملے کا حکم براہِ راست بشارالاسد نے دیا تھا۔

حالیہ مہینوں میں بشار الاسد کی نصیری فورسز کی جانب سے چند بڑی سفاکانہ کارروائیوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

25 نومبر 2014ء کو نصیری فضائیہ کے 10 لڑاکا طیاروں نے داعش کی آڑ میں الرقہ کے مختلف شہری مقامات پر تباہ کن بمباری کی جس کے نتیجے میں 95 بے گناہ شہری شہید ہو گئے۔

2 فروری کو شامی حکومتی فورسز نے اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر شامی صوبوں درعا اور ادلب کے علاوہ دمشق کے نواحی علاقے دوما پر بمباری کر کے 44 شہریوں کو شہید اور 100 سے زائد کو زخمی کر دیا، اس شدید وحشیانہ بمباری کے باوجود درعا صوبہ میں حکومت مخالف اسلامی جنگجوؤں کی پیش قدمی جاری ہے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ کی رپورٹ کے مطابق 24 جنوری کو نصیری فضائیہ کے لڑاکا طیاروں نے دمشق کے نواح میں واقع حموریہ کے علاقے میں جمعہ کے وقت مارکیٹ کو اس وقت نشانہ بنایا جب نمازی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے۔ عینی شاہدین کے مطابق بمباری اتنی شدید تھی کہ بیشتر شہداء کے جسم ٹکڑوں میں بٹ گے اور علاقے میں انسانی اعضاء بکھرے ہوئے نظر آئے، جبکہ اس وحشیانہ بمباری سے قریبی عمارتوں کو آگ لگ گئی۔ اس فضائی حملے میں کم سے کم 100 نہتے بے گناہ مسلمان موقع پر ہی شہید ہوئے۔

اسی طرح نصیری فضائیہ نے 6 فروری بروز جمعۃ المبارک مشرقی غوطہ پر کم سے کم ساٹھ فضائی حملے کیے، جس کے نتیجے میں 18 بچوں سمیت 82 شہری شہید اور 150 کے قریب زخمی ہو گئے۔ فضائی بمباری کے دوران فضا سے زمین پر فائر کرنے والے میزائل بھی فائر کیے گے۔

خیال رہے کہ گزشتہ تقریباً دو سال سے شامی حکمران طبقے کی نصیری فورسز نے مشرقی غوطہ کا محاصرہ کر رکھا ہے جہاں خوراک اور ضروریات زندگی کی ہر چیز کی شدید قلت پیدا ہو چکی ہے، اوپر سے گاہے گاہے نصیری فضائیہ فضائی حملے بھی کرتی رہتی ہے جس سے محاصرین کی اموات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ سنجیدہ حلقوں میں اب یہ سوال بار بار اٹھایا جارہا ہے کہ داعش کے نام پر شام میں جنگجوؤں پر فضائی حملے کرنے والا ”امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک“ نے سفاک بشار الاسد کو نہتے عوام پر وحشیانہ حملوں کی کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سفاک بشار الاسد نے یہ انتہائی گھناؤنا مسلم کش فعل کیوں کیا؟ برما میں ہونے والے مسلمانوں کے سر عام قتل پر دنیا کی خاموشی، ایران میں اہل سنت پر ناقابل بیان ہونے والے ظلم وستم، سوڈان کا دولخت ہونا اور فلسطین، خاص کر غزہ پر ملعون یہودیوں کی طرف سے بار بار کی گئی ننگی جارحیت پر طاغوتی طاقتوں کی خاموشی سے مکار و شاطر سفاک بشار کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ ”خود ساختہ متمدن دنیا“ حقیقی طور پر اہل توحید سے

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



چھٹکارا حاصل کرنا چاہی ہے۔ یونلہ طاغوتی طاقتیں (اسلام دشمن قوتیں) سنی مسلمان اور مجاہدین اسلام کے علاوہ کسی اور سے پریشان نہیں۔ یہی وہ وجوہات تھیں جس نے سفاک بشار کو نہتے اور بے گناہ مسلمانوں کے خلاف کھل کر شیطنت کا کھیل کھیلنے کا موقع فراہم کیا۔

نصیری فوج گزشتہ چار سالوں سے نہتے اور بے گناہ مسلمانوں کا ڈنکے کی چوٹ پر قتلِ عام کررہی ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق اب تک دو لاکھ 20 ہزار سے زائد مسلمان سفاک بشار اور اس کے حلیفوں کی مذہبی دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں جن میں گیارہ ہزار سے زائد بچے بھی اس بہیمانہ قتلِ عام کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس دوران میں ملک کی 1/3 آبادی ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئی جو انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت ہے۔ لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ اس تمام تر درندگی کے باوجود امریکہ، روس، برطانیہ، چین سمیت یورپی ممالک اور اقوام متحدہ کی تمام کارروائی کھوکھلی دھمکیوں اور محض اعلانات تک محدود ہے۔ طاغوتی طاقتوں کی اسی منافقت کی وجہ سے آج سفاک بشار الاسد کو اس وحشیانہ سفاکی کی جرأت ہوئی ہے کہ اپنے ہی کلمہ گو عوام کے خلاف اس کی درندگی روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے۔ لیکن زمینی حقائق یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود شام میں قیادت کا خلا صرف اور صرف اسلام پسند ہی پر کریں گے اور انھیں اس کام سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکے گی۔

بقیہ: علم استشراق

اسلام اور قرآن کریم کی من مانی تعبیر کا جو سلسلہ منصوبہ بندی کے تحت شروع کیا گیا، کیا اس کا واحد مقصد دنیا بھر کے مسلمانوں کو ذہنی اذیت اور شکست سے دوچار کرنا نہیں ہے! لیکن مغرب شاید یہ نہیں جانتا کہ تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کریم اور رسول پاک ﷺ کی توہین درحقیقت آسمان پر تھوکنے کے مترادف ہے۔ مسلم دنیا سے تو شاید اس کا کوئی علمی جواب نہ دیا جاسکے لیکن امریکہ اور یورپ میں نائن الیون کے ڈرامے کے بعد ہزاروں مقامی افراد کا مسلمان ہونا مغرب کی موجودہ دجالیت کے منہ پر ایک زور دار طمانچہ ہے۔

یورپ میں اسلام اور اسلامی ثقافت کے حوالے سے یورپین جامعات اور ان کے مخصوص شعبوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد میں ارباب اختیار اور درد دل رکھنے والے مسلمانوں کو یہ عرض کروں گا کہ سوائے مدینہ منورہ کے تمام مسلم دنیا میں اس نوعیت کا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا گیا جو یونیورسٹی سطح پر مستشرقین کے طریقۂ واردات پر تحقیقی علم رکھتا ہوں اور جہاں پر ایسے سکالرز تیار ہوتے ہوں جو مغرب کی اس جھلائی ہوئی روش کا منہ توڑ جواب دیتے۔ افسوس کہ پاکستان جیسا نظریاتی ملک جس کا سب سے زیادہ بجٹ تعلیم پر صرف ہونا چاہیے تھا وہ حکمرانوں کی عیاشی اور کرپشن پر صرف ہوتا ہے۔ جس ملک کے بیشتر سیاستدان جعلی ڈگریوں کے حامل ہوں اور اپنے اس فعل پر شرم بھی محسوس نہ کریں وہ بھلا استشراق جیسے اہم موضوع کے لیے کوئی ارادہ تشکیل دیں گے؟

سنہری موقع

ایسے طلبہ کے لیے جو جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور سعودی عرب کی دیگر یونیورسٹیز میں وظائف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند ہیں۔ اور ان کے پاس میٹرک، ایف اے، بی اے یا اس کے مساوی (ثانویہ عامہ، خاصہ، عالیہ، العالمیہ) وغیرہ کی اسناد ہیں۔ وہ فوراً رابطہ کریں:

حافظ احسان الٰہی احمد

0302-3372476 0302-4050669

ihsanelahiahmad699@gmail.com

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

قاتل اور مقتول.....!



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ قاتل کو پتہ نہیں ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ اسے کس بات پر قتل کیا گیا۔'' (صحیح مسلم: 2908)

حافظ آباد کی سوغات سپیشل مردانہ گرم چادریں.....عمدہ اور نفیس رنگوں میں

حافظ کلاتھ ہاؤس ڈاکخانہ روڈ، حافظ آباد 054-7520829

تعلیم تبلیغ تربیت

بعثتِ مصطفیٰ ﷺ کا مقصد • توحید و آخرت • تلاوتِ آیات • تفہیم کتاب • تعلیم حکمت • تزکیۂ نفس • غلبۂ دین

امتی کی ذمہ داریاں ختم نبوت کا تقاضا: حضورؐ کی آمد کا مقصد پورا کرنے کیلئے امتِ مصطفیٰ ﷺ مسلسل انبیاء والا کام کرتی رہے۔ امت وسط اور خیر امت کی حیثیت سے تمام انسانوں پر شہادت امر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر، دین کامل اور اقبال کا مردِ مومن

یہ کام کیسے ہو؟ تقویٰ اور تزکیہ نفس کیلئے مسلسل تربیت، ذاتی اصلاح، اہلِ خانہ کی تربیت اور ماحول کی بہتری کی خاطر ایک اچھا مبلغ اور مصلح بننے کیلئے قرآن وسنت کی روشنی میں

مفت کتابیں (حسب ضابطہ)
بلا معاوضہ فاصلاتی تربیت

مُربّی بنئے
(جامع دینی تعلیم اور مسلسل روحانی تربیت)

ملک اور بیرونِ ملک سے خواتین و حضرات کیلئے

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان

مکان نمبر 1، STI کالونی پلاٹ نمبر 7 سیکٹر H-9 اسلام آباد فون: 051-4444266، موبائل: 0323-5131416
0313-8484860
ای میل: anfides@gmail.com

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں

الحمدللہ!

پیغام ٹی وی نے چند ہی سال میں دینی تعلیمات کے فروغ اور معاشرتی اصلاح کے حوالے سے ناظرین پر نمایاں اثرات مرتب کرتے ہوئے ان کا اعتماد حاصل کیا ہے۔

اللہ کی اس خاص توفیق کے بعد ''پیغام ٹی وی پشتو'' بھی لانچ کر دیا گیا ہے۔ جو پشتون علاقوں خصوصاً خیبر پختونخوا، بلوچستان اور افغانستان کے لوگوں میں اسلامی تعلیمات پھیلا رہا ہے۔

جس کے ذریعے پشتو زبان کے علماء اور سکالرز لاکھوں لوگوں تک قرآن وسنت کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

پروگراموں کی ریکارڈنگ کے لیے لاہور، اسلام آباد اور کوئٹہ میں سٹوڈیوز قائم کر دیے گئے ہیں۔

پشتو زبان کے جو علماء اور سکالرز وانکرز اپنی خدمات پیش کرنا چاہیں اپنی CV ای میل کر دیں۔

مزید معلومات کے لیے

پیغام ٹی وی پښتو

دعوتِ دین کا مؤثر ذریعہ

کوئٹہ اسٹوڈیوز 0300-8381111 | 081-2880800 | satar_331@hotmail.com

اسلام آباد اسٹوڈیوز 0333-4242911 | 051-2623826 | ajaleel911@gmail.com

لاہور اسٹوڈیوز 106 راوی روڈ لاہور 0307-4335010 | 0423-7722876 | r.development@hotmail.com

علاج بالغذاء

نظریہ مفرد اعضاء کا عظیم شاہکار

علاج بالدواء

سلمان دواخانہ

صحت اور جوانی کے تمام مسائل کا حل

اپنی قیمتی صحت کو نادان حکیموں کے ہاں جا کر ضائع کرنے کی بجائے سمجھداری کا ثبوت دیں اور سلمان دواخانہ پر تشریف لائیں

(تشریف لانے سے قبل فون پر رابطہ کریں)

ہمارے ہاں امراض دل، امراض معدہ جگر، بے اولادی، عنانت، عورتوں اور بچوں کے امراض کا شافی علاج کیا جاتا ہے

ہماری آزمائش ضرور کیجئے

شوگر اور بلڈ پریشر کا تسلی بخش علاج

حکیم حافظ محمد سلیم

Cell:0345-7637829-0333-8944752-0304-9637337

email:saleemabusalman@gmail.com

نزد مسجد الریان اھل حدیث محمدیہ کالونی سندیلیانوالی ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

دارالسلام کے تمام شوروم پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں